محمد بن علی السنوسی اور ان کی تجدیدی و اصلاحی تحریک

سیّد خالد محمود ترمذی☆

پیدائش اور شجرۂ نسب

شہرہ آفاق عالم و مصلح محمد ابن علی السنوسی جو عموماً سنوسیِ کبیر کے نام سے موسوم ہیں الجزائر کے ساحلی شہر مستغانم کے ایک محلّہ الواسطہ کے ایک علمی گھرانے میں ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۰۲ھ بمطابق ۲۲ دسمبر ۱۷۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ اسی سال نجد (عرب) کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے وفات پائی۔ سنوسیِ کبیر کی تاریخ پیدائش میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے پوتے، لیبیا کے معزول شاہ ادریس السنوسی نے ان کی تصنیف ایقاظ الوسنان فی العمل بالحدیث و القرآن کے دیباچے میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول ۱۲۰۲ھ/۲۲ دسمبر ۱۷۸۷ء بتائی ہے۔ رین (Rinn) نے ۱۷۹۱-۱۷۹۲ء لکھی ہے[1]۔ امیر شکیب ارسلان نے ۱۸۰۰ء لکھی ہے[2]۔ ڈاکٹر فؤاد شکری، محمد الطیب الاشہب اور النائب احمد الانصاری ۱۲ ربیع الاوّل کو ہی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سرکاری طور پر مسلمہ تاریخ پیدائش ہے۔ نیقولا زیادہ (N.A. Ziadeh) اور ای. ای. ایوانز پرچرڈ (E.E. Evans Pritchard)، نے بھی اسی تاریخ کو قبول کیا ہے۔

سنوسیِ کبیر یعنی محمد بن علی السنوسی کا شجرۂ نسب مراکش کی دولتِ ادریسیہ کے بانی ادریس بن عبداللہ الکامل سے جاملتا ہے۔ ان کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے:

محمد ابن علی السنوسی ابن الحاج العربی ابن محمد ابن عبدالقادر ابن شہیدہ ابن محمد عرف حموہ ابن یوسف ابن زیاد ابن زین العابدین ابن یوسف ابن عبداللہ ابن الخطاب ابن علی ابن یحیٰ ابن راشد ابن احمد المرابط ابن مرضاس (مقداس) ابن عبدالقوی ابن عبدالرحمٰن ابن یوسف بن زیان ابن زین العابدین ابن یوسف (شاہ دہم) ابن حسن (شاہ نہم) ابن ادریس (شاہ ہشتم) ابن عبداللہ ابن احمد (شاہ ہفتم) ابن محمد (شاہ ششم) ابن عبداللہ (شاہ پنجم) ابن حمزہ (شاہ چہارم) ابن سعید بن یعقوب (شاہ سوم) ابن عمران (شاہ دوم) ابن ادریس اصغر خلیفہ ثانی موسوم بہ امیر المسلمین (جس نے شہر فاس کی بنیاد رکھی اور اسے حکومتِ ادریسیہ کا دارالحکومت بنایا) ابن ادریس اکبر جس نے ادریسی سلطنت کی بنیاد

☆ ۲۰۰- شیر شاہ بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ڈالی۔ یہ ادریس عبداللہ الکامل الحسن المثنی ابن امام حسنؓ ابن امیرالمومنین حضرت علیؓ (چہارم خلیفہ راشد) کا بیٹا تھا(۳)۔

سنوسیِ کبیر کا سلسلۂ نسب جیسا کہ شجرۂ نسب سے ظاہر ہے حضرت امام حسن کے واسطے سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ اسی لیے وہ السنوسی الخطابی الحسنی کہلاتے ہیں۔ سنوسی ان کے خاندان میں ایک بزرگ (شیخ محمد بن یوسف ابن یوسف ابن عمر ابن شعیب السنوسی) ہوگزرے ہیں جن کا مقبرہ تلمسان کے نواح میں واقع ہے اور مرجع خلائق ہے(۴)۔

تعلیم و تربیت

سنوسیِ کبیر ابھی دو برس کے تھے کہ ان کے والدِ ماجد علی السنوسی جو خود ایک عالمِ باعمل اور متقی و راست باز شخص تھے عین عالمِ شباب میں وفات پاگئے۔ لہٰذا ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ان کی چچی سیدہ فاطمہ نے کی، جسے خاندان کے دیگر افراد کی طرح علم سے بہرۂ وافر ملا تھا۔ ان کے تجرِّ علمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے درس میں مرد علماء حاضر ہوتے تھے۔ ان کی زندگی وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کے لیے وقف تھی(۵)۔

سنوسیِ کبیر کو بھی بچپن ہی سے حصولِ علم کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ انہوں نے صغر سنی ہی میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور مقامی علماء و فقہا سے تفسیر، فقہ، حدیث اور تصوف کی تحصیل کی(۶)۔ مازونہ میں انہوں نے شیخ ابو طالب المازونی، ابن المهدی، شیخ عمر الرقیق اور محمد بن علی الشریف المازونی سے اور معسکر (مستغانم کا نواح) میں شیخ ابورأس المعسکری (۱۷۵۱-۱۸۲۳ء) سے استفادہ کیا۔ مازونہ سے فارغ ہوکر آپ فاس چلے گئے (۱۸۰۴/۱۲۲۰ھ) جہاں آپ نے مشہور جامعۂ قروبین میں داخلہ لے لیا اور سات سال تک وہاں تحصیلِ علم میں مشغول رہے اور وقت کے فاضل و اجل علماء و مشائخ، جن میں سید احمد الدرقاوی بھی شامل ہیں، سے فیض حاصل کیا(۷)۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سید الدرقاوی شاذلیہ طریقے کے شیخ الطریقہ ہیں۔ سنوسیِ کبیر نے علومِ شریعت کے ساتھ ساتھ آدابِ طریقت کی بھی تعلیم حاصل کی(۸)۔

درس و تدریس

جب سنوسیِ کبیر حصولِ علم سے فارغ ہوئے تو ان کی مہارتِ علمی اور تفقہ فی الدِّین کی بدولت ان کو فاس کی جامعۂ الکبیر (جامعۂ قروبین) میں مدرّس مقرر کر دیا گیا(۹)۔ انیسویں صدی کے

اوائل میں فاس (مراکش کا دارالحکومت) علوم و معارف کا مرکز بنا ہوا تھا۔ طالبانِ علم جامعۂ قرویین کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، جو علم و معرفت میں جامعۂ ازہر کے برابر تھی بلکہ بعض کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر تھی[۱۰]۔ ۲۴۵ھ/۸۵۹ء میں جامعۂ قرویین کا قیام بھی ادریسی خاندان کا کارنامہ ہے، یہ نہ صرف شمالی افریقہ بلکہ عالمِ عرب کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے[۱۰-ب]۔

فاس میں تقریباً چودہ سالہ قیام کے دوران سنوسیِ کبیر کے خفتہ جوہر کھلے۔ شاگردوں کا ہجوم بڑھ گیا اور وہ بحیثیتِ ایک معتبر عالم، صاحب الرائے فقیہہ اور خوش ادا واعظ کے پہنچانے جانے لگے۔ تمام ملک میں ان کے علم و معرفت کی دھوم مچ گئی۔ آخر ان کے درس اور وعظ و ارشاد کی شہرت والیٔ مراکش مولائی سلیمان کے کانوں تک بھی پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سنوسیِ کبیر کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے خائف ہوگیا۔ مبادا ان کی دعوتِ تجدید و اصلاح سیاسی رخ اختیار کرجائے اور ملک میں انقلاب کا پیش خیمہ بن جائے۔ لہٰذا اس نے ان کی نگرانی شروع کردی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مولائی سلیمان ان کی شہرتِ علمی سے متاثر ہوکر انہیں اپنا درباری بنانا چاہتا تھا لیکن وہ درباری داری کو کراہت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ۱۸۲۵ء میں وہاں سے کوچ کا ارادہ کرلیا[۱۱]۔ سنوسی کی منزل مشرق کے ممالک تھے۔ چنانچہ وہ فاس سے نکل کر عینِ مہدی پہنچے۔ عین مہدی میں انہوں نے تیجانیہ طریقے کے اسباق خود طریقے کے بانی شیخ احمد التیجانی سے سیکھے۔ یہاں سے وہ لاغوات پہنچے جہاں وہ کچھ مدت تک علومِ شریعت اور فقہ کا درس دیتے رہے[۱۲]۔

فاس میں قیام کے دوران شاذلی طریقے کے علاوہ وہ تصوّف کے کئی اور سلسلوں سے بھی روشناس ہوگئے تھے جن میں قادریہ، درقاویہ، ناصریہ، جنیدیہ اور جزولیہ وغیرہ شامل ہیں۔ جب انہوں نے بوسعدہ کو خیرباد کہا تو وہ ایک معتبر عالم کی حیثیت سے مشہور ہوگئے تھے اسی لیے طلباء ان کو گھیرے رہتے تھے۔ وہ ان کی علمی پیاس بجھاتے اور ان کے ذہنوں میں دینی شعور اور جذبۂ عمل بیدار کرتے تھے۔ طالبانِ علم کے علاوہ عوام النّاس بھی ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

مصر و حجاز میں قیام

گو اب سنوسیِ کبیر ایک جلیل القدر عالم کے طور پر جانے جاتے تھے اور علم و عرفان کے متلاشی ان کے بحرِ علم و معرفت سے خوشہ چینی کے لیے ان کی مجالسِ وعظ و ارشاد اور ان کے درس میں جوق در جوق حاضر ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ (سنوسی) اپنے آپ کو عالم کی بجائے

طالب علم ہی سمجھتے تھے اور علما و فضلاء کے قدموں میں بیٹھنا سعادت جانتے تھے۔ اسی غرض سے انہوں نے مصر و حجاز کے مشہور مراکزِ تعلیم کا سفر اختیار کیا۔ اوّلاً انہوں نے مصر کا قصد کیا۔ جہاں جہاں سے بھی وہ گزرے اپنی دعوت احیائے اسلام کو لوگوں میں عام کرتے گئے[۱۳]۔ جب مصر میں وارد ہوئے تو اس وقت وہاں محمد علی پاشا کی حکومت تھی جسے جدید مصر کا بانی کہا جاتا ہے۔ مصر کی شہرہ آفاق جامعۂ ازہر وقت کے ممتاز علماء و فضلاء کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ شیخ حسن العطار، شیخ الامیر، شیخ القویسی وغیرہ جیسے شیوخ کے علاوہ جن ائمہ کرام سے آپ نے فیض حاصل کیا ان میں المیلی التونسی، شیخ ثعیلب اور شیخ الصاوی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں[۱۴]۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ وہ جب مصر میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے وارد ہوئے تو ان کی شہرت بطورِ ایک فاضلِ اجل، مقبولِ عام استاد اور صائب الرائے فقیہ کے ان سے پہلے مصر پہنچ چکی تھی۔ ان کی طبیعت میں بے حد استغنیٰ تھا۔ وہ امراء و وزراء کی مجالس میں حاضری کو ناپسند کرتے تھے جبکہ اس دور کے علمائے ازہر کی اکثریت براہِ راست خلافتِ عثمانیہ کے دربار سے یا عثمانی امراء سے وابستہ تھی اور ان کی رضا جوئی کی خواہاں تھی۔ چنانچہ وہ سنوسیِ کبیر کی بے پناہ جاذب نظر اور مضبوط کردار کی حامل شخصیت کی مقبولیت سے گھبرا گئے۔ وہ ان کے درس اور مجالس وعظ و ارشاد میں روز بروز بڑھتے ہوئے حاضرین اور علم و معرفت کے متلاشی طلبہ کی کثرت سے خائف ہو گئے۔ علمائے ازہر ان کے مخالف ہوگئے اور انہوں نے ان کے خلاف ''بدعتی'' ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیا[۱۵] اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کی تلقین کی۔ علمائے ازہر کے متعلق محمد عبدہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ سنوسیِ کبیر کی عداوت میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ قتل پر آمادہ ہوگئے[۱۶]۔

اگرچہ ان کا ارادہ تھا کہ وہ مصر میں رہ کر مالکی فقہ میں تخصص کے درجے کی اعلیٰ تعلیم و تحقیق کو جاری رکھیں لیکن چند در چند وجوہات کے باعث انہوں نے مصر سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ مصری علماء کے فرسودہ نظریات اور ان کا بے لچک و دقیانوسی طرزِ تعلیم ان کو پسند نہیں آیا[۱۷]۔ وہ اس مروجہ نظامِ تعلیم اور طریقِ تعلیم کو اصلاح طلب سمجھتے تھے۔ وہ اس میں انقلابی تبدیلی لانا چاہتے تھے، جیسا کہ بعد ازاں جب انہوں نے سنوسی زاویے قائم کیے تو ان میں مکمل طور پر تبدیل شدہ نظامِ تعلیم رائج کیا۔ نیز وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے برعکس ان کا عقیدہ تھا کہ اجتہاد کے دروازے بند نہیں ہوئے اور آج بھی اجتہاد ہوسکتا ہے۔ سنوسیِ کبیر کے انہی اجتہادی اور اصلاحی نظریات کی وجہ سے علمائے ازہر ان کے

مخالف ہوگئے حتیٰ کہ ان کو بدعتی قرار دے کر ان قتل کے درپے ہوگئے۔ ایک وجہ سنوسی کے مصر چھوڑنے کی یہ بھی تھی کہ وہ محمد علی پاشا کی غیر اسلامی اصلاحات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کا آمرانہ طرزِ حکومت انہیں پسند نہیں تھا۔ محمد علی اپنے احکام و اوامر میں کسی سے مشورہ نہیں کرتا تھا۔ سنوسیِ کبیر اس کی اصلاحات کو مبالغے اور افراط تفریط پر مبنی قرار دیتے تھے۔ محمد علی پاشا کی اصلاحات کو محمد عبدہ جیسے روشن خیال مُصلح اور ان کے شاگرد اور شہرہ آفاق مجلّہ المنار کے مدیر محمد رشید رضا نے بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے[۱۸]۔ ڈاکٹر سی. سی. آدم نے سنوسیِ کبیر کے مصر چھوڑنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ چونکہ ان کو مصر میں وہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جو کہ جغبوب میں یعنی شمالی افریقہ میں ان کو بطورِ عالمِ فاضل کے ملتی تھی اس لیے انہوں نے مصر چھوڑ دیا[۱۹]۔ میرے خیال میں یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ جیسا کہ مستشرقین کی عادت ہے، یہ سی.سی. آدم کا مفروضہ ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔ سنوسیِ کبیر جو علمائے ازہر کو ان کے طرزِ کہن پہ ٹوکتے تھے اور ان کو اجتہاد و اصلاح کی دعوت دیتے تھے تو اس کا بدیہی نتیجہ اور ردِّ عمل اس کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا۔ یہ وہ چند در چند وجوہات تھیں جن کے سبب سے انہوں نے مصر سے حجاز مقدس جانے کا ارادہ کرلیا[۲۰]۔

حجاز مقدس کے قیام کے دوران حضرت سنوسی کو تمام اسلامی ممالک کے علماء و فضلاء اور مشائخ وصوفیاء سے ملنے اور ان سے تبادلہ خیالات کرنے کے سنہری مواقع میسر آئے، جو حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ اور روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی نیت سے مدینہ منورہ کھنچے چلے آتے تھے۔

امام احمد بن ادریس الفاسی سے ملاقات

حجازِ مقدس میں بھی سنوسیِ کبیر نے وقت کے ممتاز علماء وفضلاء سے استفادہ کیا۔ اہم بات یہ کہ حجاز میں ادریسیہ سلسلے کے بانی ابو العباس احمد بن عبداللہ بن ادریس بن محمد بن علی الفاسی سے انہوں نے طریقہ شاذلیہ (ادریسیہ سلسلہ شاذلیہ طریقے کی ایک شاخ ہے) کے اسباقِ اوراد و وظائف اور افعال و اشغال سیکھے[۲۱]۔ سنوسیِ کبیر علامہ الفاسی کے تبحرِ علمی، تقوی و طہارت اور زہد و قناعت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بس ان کے ہی ہو رہے۔ یہاں تک کہ جب علامہ الفاسی نے ۱۸۳۵ء میں یمن اور حجاز کے درمیان ساحلی علاقے عسیر (صبیا) ہجرت کی تو سنوسی نے بھی ان کا ساتھ دیا اور علامہ الفاسی کی وفات (۱۸۳۷ء) تک وہیں رہے۔ علامہ الفاسی کی رحلت کے بعد ادریسیہ

سلسلہ تین شاخوں میں بٹ گیا۔ مرغانیہ جس کا بانی علامہ الفاسی کا ایک شاگرد محمد عثمان المرغانی تھا، راشدیہ جس کا بانی ان کا دوسرا شاگرد ابراہیم الراشدی تھا، اور سنوسیہ جس کے بانی سنوسیِ کبیر (محمد بن علی السنوسی) تھے۔ سنوسیہ کے ساتھ علامہ الفاسی کے متبعین کی اکثریت تھی کیونکہ اس کے بانی علامہ الفاسی کے ہرلحاظ سے، کیا علم و عمل اور کیا عقائد ونظریات کے، صحیح جانشین تھے۔ سنوسیِ کبیر نے ہی ان کے اصلاحی مشن کو آگے بڑھایا، یہاں تک کہ علامہ الفاسی کے بڑے بیٹے عبدالمتعال زاویہ جغبوب میں ان کے زیرتعلیم و تربیت رہے اور ان کی وفات تک ان کا ساتھ دیتے رہے۔ علامہ الفاسی نے خود بھی اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے سنوسیِ کبیر کو اپنا جانشین قرار دیا تھا۔

حجاز میں پہلے سنوسی زاویے کا قیام

علامہ الفاسی کی وفات کے بعد سنوسیِ کبیر ۱۸۳۷ء میں پھر مکہ لوٹ آئے۔ جہاں انہوں نے اپنی تعلیمی و اصلاحی تحریک کے پہلے مرکز یعنی زاویہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ زاویہ خانہ کعبہ کے زیرِ سایہ جبلِ ابوقبیس پر قائم کیا گیا اس لیے یہ زاویۂ ابی قبیس کے نام سے موسوم ہے۔ سنوسیِ کبیر کی یہ علمی و اصلاحی تحریک بعد ازاں تحریک سنوسی یا سنوسیہ تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ ان کے تبحرِ علمی، قابلیت و لیاقت، ورع وتقویٰ اور زہد و قناعت کی بدولت یہ تحریک روز بروز پھیلنے لگی اور بہت سے لوگ ان سے علوم شریعت و طریقت سیکھنے کے لیے آنے لگے، جنہیں وہ اپنے مرشد علامہ الفاسی کی طرح بڑے دل نشیں انداز میں اسلام کے اوامر ونواہی کی پابندی اور اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے تھے[۲۲]۔ چنانچہ ان کی مجالس کی رونق شب و روز بڑھنے لگی جبکہ علماء و مشائخ مکہ کی مجلسیں سونی ہوگئیں جس کی وجہ سے ان کے بارے میں علمائے مکہ کے دلوں میں جذبۂ رقابت پیدا ہونا فطری امر تھا۔ سنوسیِ کبیر نے ان کی بڑھتی ہوئی مخالفت و مخاصمت کی وجہ سے ایک بار پھر مکہ سے اپنے وطن جغبوب کی طرف ہجرت کا ارادہ کرلیا (۱۸۴۰ء) اور زاویہ ابوقبیس کا انتظام و انصرام اپنے ایک بااعتماد منتظم کے سپرد کردیا[۲۳]۔

سنوسیِ کبیر کی مکہ سے ہجرت کے اسباب میں سے پہلا سبب تو علمائے مکہ کی مخالفت و عداوت تھی اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے اعتقادات کی بنیاد کے لیے خاصتاً کتاب وسنت پر انحصار کرتے تھے اور اپنے وعظ و ارشاد میں اکثر سلف صالحین کی پیروی پر زور دیتے تھے۔ نیز ان کا یہ اعتقادِ صریح کہ اجتہاد کے دروازے بند نہیں ہوئے، بھی علمائے مکہ کی مخاصمت کا سبب بن گیا[۲۴]۔

دوسرا سبب وہی امراء و حکام کی گھبراہٹ و تشویش تھی۔ سنوسیِ کبیر کی عوام و خواص میں مقبولیت سے ان کی حکومت کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ عثمانی گورنر شریف مکہ کو بھی ان کی عوام میں مقبولیت پسند نہیں آئی۔ یہ دو بڑے عوامل تھے جنہوں نے آپ کو مکہ سے ہجرت پر آمادہ کیا۔ حجاز میں ان کی تحریک کو بہت پذیرائی ملی اور وہاں کے اکثر قبائل نے ان کی قیادت و سیادت کو تسلیم کرلیا تھا۔ بایں ہمہ انہوں نے ۱۸۴۰ء میں وطن واپس لوٹنے کا قصد کیا(۲۵)۔

بالآخر سنوسیِ کبیر اگست ۱۸۴۱ء میں طرابلس میں وارد ہوئے۔ اس زمانے میں طرابلس کا والی اشقر علی (علی عشقر) پاشا تھا جو سنوسیِ کبیر کا بہت عقیدت مند تھا چنانچہ اس نے سنوسیِ کبیر اور ان کے اخوان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا(۲۶)۔ چنانچہ سنوسیِ کبیر شوال ۱۲۵۷ھ/ نومبر ۱۸۴۲ء کے آخر سے زاویہ البیضاء میں مقیم ہوئے۔

لیبیا میں سنوسیِ کبیر کی تجدیدی و اصلاحی تحریک

جب ساتویں صدی عیسوی میں عربوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو یہاں اسلام پھیلایا جس کی بدولت یہ علاقہ عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا اور رفتہ رفتہ یہاں کی مقامی آبادی میں عربوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ عربوں کی آبادی میں یہ اضافہ بارہویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ پھر ان میں ضعف و اضمحلال سرایت کرگیا اور رفتہ رفتہ ان کا زوال شروع ہوگیا۔ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں عثمانی ترکوں نے ان پر حملہ کیا تو پہلے طرابلس الغرب پر قابض ہوگئے اور پھر ۱۵۵۱ء یعنی ۹۵۹ھ میں بنغازی پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا، جو البرقہ کا دارالسلطنت تھا۔ عثمانیوں نے البرقہ اور طرابلس کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا (جیسے تونس عثمانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا) اور آستانہ سے یہاں والی مقرر ہوکر آنے لگے۔ ۱۱۲۳ھ بمطابق ۱۷۱۱ء میں احمد پاشا قرمنالی (قرہ مانلی) اسی علاقے کا والی بن کر آیا۔ اس نے بڑے عدل و انصاف سے لوگوں پر حکومت کی۔ لوگوں میں اس خاندان کی عزت و عظمت اور قدرومنزلت اس قدر گھر کر گئی کہ ان کی درخواست پر آستانہ (دارالخلافہ) سے یہ فرمان جاری ہوا کہ طرابلس کی حکومت پر احمد پاشا کے بعد اس خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے فائز ہوں گے۔ لہٰذا تقریباً ۱۲۷ سال تک علاقے کی حکومت اس خاندان میں رہی۔ پھر ۱۲۵۱ھ میں اس خاندان کی حکومت کو معزول کرکے البرقہ اور طرابلس کو علیحدہ علیحدہ ولایت (صوبہ) بنا دیا گیا اور ۱۲۵۴ھ میں علی اشقر پاشا (عشقر علی پاشا) کو طرابلس کا والی بنا کر بھیجا گیا اور حلیم پاشا کو البرقہ کا والی بنایا گیا(۲۷)۔

زاویہ البیضاء کا قیام اور سنوسی تحریک میں اس کی اہمیت

سنوسیِ کبیر نے البرقہ کے قبائل کی درخواست پر جبلِ اخضر میں اپنے پہلے اصلاحی مرکز (زاویہ) کے قیام کا فیصلہ کرلیا اور اس کے لیے مشہور صحابی حضرت رافع بن ثابت انصاریؓ کے مقبرے کے قریب جگہ کا انتخاب کیا۔ زاویہ کا نام زاویہ البیضاء رکھا جسے سنوسی زاویوں کی تاریخ میں اُمُّ الزّوایا کہا جاتا ہے کہ افریقہ میں یہیں سے سنوسی تحریک و دعوت کی اشاعت ہوئی[۴۸]۔ کیونکہ لیبیا میں اپنے قیام کے لحاظ سے یہ پہلا سنوسی زاویہ تھا ورنہ پہلا زاویہ تو مکہ کا زاویہ ابوقبیس ہے۔ اس لحاظ سے یہ دوسرا زاویہ ہے جو سنوسیِ کبیر نے قائم کیا۔

زاویہ البیضاء کے قیام سے سنوسی تحریک میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے یعنی البرقہ و طرابلس میں تجدید و احیائے دین کی تحریک کا بیج ڈال دیا جاتا ہے، جو ایک دن تناور درخت کی صورت اختیار کرجاتا ہے جس کا سایہ تمام افریقہ کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ زاویے کے قیام سے پہلے البرقہ بدعات و جہالت کی عمیق تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور جہالت کی جڑیں اس قدر گہری چلی گئی تھیں کہ بعض قبائل مسلمان کہلانے کے باوجود بت پرستی تک اختیار کرچکے تھے۔ بعض قبائل حج بیت اللہ کے فرض کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ (بیت اللہ) جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اور البرقہ کے بعض معروف ومشہور مقامات میں حج کرتے تھے (اسی طرح پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے ایک ضلع تربت میں ایک ذکری فرقہ ایسا ہے جس کے پیروکار حج کے لیے بیت اللہ شریف نہیں جاتے بلکہ وہیں حج کرتے ہیں)۔ بعض قبائل کے نزدیک رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں تھا۔ وہ کرتے یہ تھے کہ قبیلے کے تیس نوجوان (رمضان کے تیس دنوں کی مناسبت سے) ایسے منتخب کرلیتے جو اچھے تنومند اور صحت مند ہوتے تھے وہ ایک ہی دن میں روزے رکھ چھوڑتے اور یہ سمجھا جاتا کہ تیس روزے پورے ہوگئے۔ نیز ان تیس نوجوانوں کے روزے قبیلے کے سرداروں اور سب بوڑھے بوڑھیوں، مزدوروں اور معذوروں کے روزوں کے قائمقام خیال کیے جاتے[۲۹]۔ علی ہٰذالقیاس شعائرِ دین کی انہیں پہچان ہی نہیں تھی۔ عقائد کے علاوہ اعمال کا یہ حال تھا کہ سلب ونہب، قتل و غارت اور جھگڑا و فساد ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ لیکن زاویے کے قیام سے جب سنوسی دعوت ان نیم وحشیوں میں پھیلی تو ضلالت اور جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور نورِ ایمان و ایقان نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ انہی جہلاء میں سے ایسے ایسے جیّد اور باعمل علماء پیدا ہوئے

کہ وہ خیروفلاح کی طرف دعوت دینے والے بن گئے اور داعی الی اللہ کے بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ ان کی دعوتِ اصلاح و فلاح سے اس علاقے کی کایا ہی پلٹ گئی نیز اس سرعت سے سنوسی زاویے قائم ہوئے کہ لیبیا ہی نہیں بلکہ تمام شمالی افریقہ، مصر و سوڈان، حجاز و شام، انڈونیشیا، ترکی اور ایران تک میں سنوسی زاویوں کا ایک جال بچھ گیا(۳۰)۔

حجاز میں دوبارہ قیام اور دعوتی و اصلاحی سرگرمیاں

۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء میں سنوسیِ کبیر دوبارہ عازمِ حجاز ہوگئے اور سات سال تک یعنی ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۳ء تک حجاز میں مقیم رہے۔ قیام حجاز کے سات سالہ دور میں آپ کا افریقہ کے اخوان سے قریبی رابطہ رہا کبھی خط و کتابت کے ذریعے اور کبھی ان اخوان کے ذریعے جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے افریقہ سے آتے تھے اور واپسی پر سنوسی کی ہدایات سے بھی فیض یاب ہوتے تھے۔ پھر سنوسیِ کبیر ہر سال حج کے موقع پر مکہ میں ایک سالانہ کانفرنس بھی سنوسی اخوان کی بلاتے تھے جس میں تحریک کے مسائل و معاملات پر خوب غور وخوض ہوتا تھا، پھر وہ ضروری ہدایات جاری فرماتے۔ مولانا ابو الکلام آزاد سنوسیِ کبیر کے اس سفر و قیامِ حجاز کے متعلق رقم طراز ہیں:

> سات سال تک وہ مسلسل یہاں (البیضاء) مقیم رہا۔ اس کے بعد جب تحریک پوری طرح قائم ہوگئی تو پھر نکلا اور حجاز کا دوسرا سفر کیا۔ مکہ معظمہ میں پہنچتے ہی جبلِ بوقبیس کے گوشہ نشین کی آمد کی خبر تمام حجاز و یمن میں پھیل گئی اور نجد تک سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ اس مرتبہ بھی وہ اپنی اسی خانقاہ میں رہتا تھا جو جبلِ ابوقبیس میں پہلی مرتبہ بنا چکا تھا۔ اور رجوعِ خلائق و ہجومِ مسترشدین و مریدین پہلی مرتبہ سے بھی دوچند ہوگیا تھا۔ اس مرتبہ سلوک وتصوف کے ساتھ فقہ و حدیث کا درس بھی شروع کردیا۔ اس کا اندازِ درس عام طریقوں سے بالکل مختلف تھا اور اپنی جاذبیت و تاثر اورحسنِ بیان وجمع لطائف کے لحاظ سے حجاز کے تمام بڑے بڑے حلقہ ہائے درس پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کی شہرت اس سُرعت کے ساتھ تمام عرب میں پھیل گئی کہ اب اس کا روکنا حکومت کی طاقت سے بھی باہر ہوگیا تھا۔ لوگ یمن کے اندرونی حصوں اورنجد و حساء کے دور دراز خطّوں سے کشاں کشاں شوق و ارادات میں کھنچتے تھے اور جبلِ بوقبیس کی خانقاہ کو اپنا محبوب و مطلوب سمجھتے تھے(۳۱)۔

اس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> کیسی عجیب بات ہے کہ جس سال ہندوستان کا مشہور غدر ہوا ہے یعنی ۱۸۵۷ء ٹھیک اسی زمانے میں مکہ معظّمہ کے اندر بھی ایک بہت بڑا ہنگامۂ قتل وخون ہوا جو "ثورِ حجاز" کے نام سے مشہور ہے۔ اس غدر کے اسباب مختلف قسم کے تھے اور ان کا سرچشمہ بھی ایک ہی نہ تھا۔ یہ غدر ترکوں کے خلاف اعرابِ حجاز نے کیا اور شریف عبدالمطلب اس کے سرغنہ سمجھے گئے۔ گو اس سیدِ عظیم وجلیل (نوّراللہ مرقدہ) نے ہمیشہ اس

سے انکار کیا...... شیخ محمد بن علی السنوسی عین اسی زمانے میں [مکہ معظمہ میں] مشغول دعوت تھے اور ان کی خانقاہ مرجعِ خلائق تھی۔ دولتِ عثمانیہ کوکسی وجہ سے یقین ہوگیا کہ شیخ کا ہاتھ بھی اس غدر میں ہے اور اس نے شریف عبدالمطلب کی پوشیدہ اعانت کی ہے۔ جب شریف عبدالمطلب قسطنطنیہ میں نظر بند ہوگیا اور دوبارہ ترکی حکومت نئے شریف کے تقرر کے بعد مکہ میں قائم ہوئی تو قسطنطنیہ سے تحریک کی گئی کہ شیخ کی خانقاہ کے اثر کوکسی طرح کم کیا جائے اور کسی نہ کسی بہانے خود شیخ کو گرفتار کرلیا جائے۔ لیکن قبل اس کے کہ ایسا ہوخود شیخ کواس کا علم ہوگیا اور وہ دوبارہ مکہ معظّمہ سے دیارِمصر کی طرف روانہ ہوگیا[۳۲]۔

لیکن سنوسیِ کبیر کے سب سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ وہ ۱۸۵۴ء میں حجاز سے واپس البرقہ آچکے تھے[۳۳]۔ ان کا قیام ۱۸۵۷ء میں وہاں (حجاز میں) ثابت نہیں ہے بلکہ ۱۸۵۶ء میں جغبوب میں زاویہ کے قیام کے بعد وہ وہاں مقیم رہے اور ۱۸۵۹ء میں وہ جغبوب میں وفات پاگئے۔ یوں ثورِ حجاز سے آپ کا تعلق یا اس میں آپ کا ہاتھ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا ہے البتہ مولانا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یعنی ۱۸۵۷ء میں سنوسیِ کبیر کی حجاز میں موجودگی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ۱۸۵۴ء میں حجاز سے البرقہ آچکے تھے۔ بہر حال مکہ میں قیام کے دوران انہوں نے مدینہ منورہ اور طائف میں بھی زاویے قائم کیے[۳۴]۔ ۱۲۷۰ھ کے آخر میں سنوسیِ کبیر نے حجاز کو پھر خیرباد کہا اس دفعہ منزل مقصود الزیات (البرقہ میں جبلِ اخضر کے قریب ایک مقام) تھی جہاں وہ سنوسی اخوان کو پہلے ہی زاویہ قائم کرنے کا حکم دے چکے تھے۔ لہٰذا وہ مکہ سے قاہرہ پہنچے اور قاہرہ کے قریب ایک گاؤں میں جس کا نام کرداسہ تھا خود اپنا اصلاحی مرکز (زاویہ) قائم کرلیا۔ چند ماہ میں ہی ان کی شہرت سے تمام وادی نیل گونج اٹھی اور ہزاروں متلاشیانِ حق قاہرہ و اسکندریہ اور اطراف و اکناف سے آکر ان کے درس اور حلقۂ مجاہدات میں شریک ہونے لگے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد انہوں آپ نے طرابلس کا رخ کیا[۳۵]۔

البرقہ میں جبلِ اخضر کے قریب سنوسیِ کبیر نے ایک اور زاویہ قائم کیا اور اس کا نام ''العزیات'' رکھا۔ رفتہ رفتہ عزیات کی آبادی بڑھنے لگی۔ شیخ سنوسی کی صحبت اور حصولِ قربت کی کشش نے تمام افریقہ وعرب اور حجاز و یمن سے ہزاروں ارادت مندوں کو اپنے اردگرد جمع کرلیا یہاں تک کہ وہ اندرونِ طرابلس اور صحراء کی بہت بڑی آبادی بن گئی۔

جغبوب میں زاویے کا قیام

تین چار سال کے عرصے میں تمام شمالی افریقہ پر سنوسیِ کبیر کی روحانی حکومت قائم ہوگئی۔

صحرائے لیبیا کے تمام قبائل ان کے مرید ہوگئے۔ ان کے خلفاء اور داعی دور دور تک پھیل گئے جو اپنے مُرشد و امام کی جانب سے عمل بالکتاب والسنۃ کے لیے ہر طالبِ سعادت مسلمان سے بیعت لیتے تھے، یہاں تک کہ جاوا اور سنگاپور میں سنوسی داعی پہنچ گئے اور جزیرہ سیلون اور کولمبو میں بھی سنوسیِ کبیر کے نام پر بیعت لی گئی۔ سنوسیِ کبیر کی مقبولیت سے حکومت عثمانیہ گھبرا گئی اور اسے اس بارے میں کچھ کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ ان حالات میں سنوسیِ کبیر نے ارادہ کیا کہ ان کا صدر مقام کسی دور دراز گوشے میں ہو جہاں عثمانی حکومت کا اثر و رسوخ نہ ہونے کے برابر ہو۔ لہٰذا صحرائے لیبیا کی طرف انہوں نے توجہ کی۔ اس سلسلے میں جغبوب اندرونِ غربی افریقہ صحراء میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ ایک محفوظ مقام ہے۔ سنوسیِ کبیر العزیات سے صفر ۱۲۷۳ھ بمطابق اکتوبر ۱۸۵۶ء میں جغبوب پہنچے۔ جہاں انہوں نے عظیم الشان زاویہ قائم کیا اور ایک عالی شان مدرسہ بھی۔ یہ زاویہ بعد ازاں مرکزی زاویے یعنی صدر مقام کی حیثیت اختیار کرگیا جس کا مفصل حال ''سنوسی زاویوں'' کے ذیل میں دیا گیا ہے[۳۶]۔

جغبوب کے پُرسکون ماحول میں سنوسیِ کبیر کو اپنی دعوت وتحریک احیائے اسلام کو البرقہ اور وسطی افریقہ میں یکسوئی سے پھیلانے کا سنہری موقع میسر آ گیا۔ زاویہ کے قیام کے لیے اس دور دراز گوشے کا انتخاب سنوسیِ کبیر کی دور اندیشی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ انہوں نے یہاں سے کفرہ کے بنی ازویہ (جنہیں صحراء میں خدا کا عذاب کہا جاتا ہے) میں کتاب وسنت کی تعلیمات کو عام کیا۔ ان کے علاقے میں زاویۃ قائم کیا اور زاویے کا نام زاویۃ الاستاذ رکھا گیا۔ وسطی افریقہ میں سنوسیِ کبیر نے محمد شریف سلطان ودائی کے ذریعے اسلام پھیلایا۔ سلطان ان کے قیام مکہ کے دوران ہی مرید ہوگیا تھا، جب کہ وہ شہزادہ تھا۔ ۱۸۳۹ء میں جب اپنے والد کی وفات پر وہ ودائی کا سلطان بنا تو اس نے سنوسی تحریک کو خوب فروغ دیا۔ جغبوب سے ان دونوں کے روابط اور قریبی ہوگئے جس کی وجہ سے سنوسی تحریک وسطی سوڈان تک پھیل گئی[۳۷]۔

لیبیا میں سنوسیِ کبیر نے تجدید و اصلاح کا ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے گیارہ سالہ قیامِ لیبیا کے دوران اس ملک کے معاشرہ میں اصلاحِ احوال کا جو انقلاب عظیم برپا کیا وہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔ اسے خرقِ عادت یا سنوسیِ کبیر کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے[۳۸]۔ سنوسیِ کبیر کے دور میں لیبیا کا خوفناک اور مہلک ومہیب ترین لق و دق صحرا ان کے اخوان کی جسمانی محنت و مشقت سے سرسبز و شاداب ہوگیا، بلکہ ان کی دینی دعوت سے ایمان و ایقان

کے نور سے منوّر ہوگیا۔ جہاں حیات اور زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے وہاں زندگی اس قدر سہل ہوگئی جس کا خواب و خیال میں بھی کبھی گمان نہ کیا جاسکتا تھا، لیکن یہ ایک محسوس حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔ اور یہ اس شخص کے لیے کوئی عجیب بات بھی نہیں تھی جس کی لغت میں ناممکن کا لفظ نہیں تھا۔ سنوسیِ کبیر اپنے اخوان کو کہا کرتے تھے:

لیس هناك علی همة العاملین ما یسمونه مستحیلة اذا ما اخلصوا فی عملهم و صدقت عزیمتهم و اتخذ وا من القران الکریم دلیلهم و عرفوا معانیه و تدبروها کما یجب ان تدبّر و ها[۳۹]۔

ترجمہ: عمل کرنے والوں کی ہمت عالیہ کے آگے کوئی کام ناممکن نہیں ہے اگر ان کی نیتوں میں اخلاص ہو اور عزم صادق ہو، قرآن کریم ان کا رہبر و رہنما ہو اور اس کے معانی انہیں ازبر ہوں اور اس میں وہ غور وفکر اور تدبّر کرتے رہیں جیسا کہ تدبر کرنے کا حق ہے۔

وفات

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جب سنوسیِ کبیر العزیات سے جغبوب میں صفر ۱۲۷۳ھ میں منتقل ہوئے تو آپ نے کچھ ضعف اور جسمانی تکلیف محسوس کی تھی۔ وسطِ شعبان ۱۲۷۵ھ یعنی ۲۰ مارچ ۱۸۵۹ء کو مرض شدت اختیار کرگیا حتی کہ ۹ صفر ۱۲۷۶ھ کو بمطابق ۷ ستمبر ۱۸۵۹ء بروز بدھ طلوع آفتاب کے بعد یہ آفتابِ علم وعرفان جس نے ۱۱ سال تک تاریک برِّاعظم افریقہ کو منور کیا، ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔[۴۰] جمعہ کے روز بعد نمازِ جمعہ ان کو جامع جغبوب کی محراب کی سمت سپرد خاک کردیا گیا۔

سنوسیِ کبیر کی تصنیفات

اپنے گونا گوں اصلاحی و روحانی علمی مشاغل اور سیاسی و اجتماعی مصروفیات کے باوجود امام محمد ابن علی السنوسی تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کی تالیفات و تصنیفات کی ایک طویل فہرست دی ہے جن میں سے کچھ تو زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی صورت میں لیبیا کے سابقہ شاہی کتب خانے میں موجود ہیں اور کچھ کے صرف نام ہی ملتے ہیں ان کے وجود اور عدم وجود کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا[۴۱]۔ خیر الدّین الزرکلی نے الأعلام میں ان کی تصنیفات کی تعداد ۶۰ بتائی ہے: لہ نحو ستون کتاباً و رسالۃً[۴۲]۔ سنوسیِ کبیر کے ایک مصری سوانح نگار احمد صدقی الدجانی نے ان کی تصنیفات کی تعداد ۴۴ بتائی ہے[۴۳]۔ ۱۹۳۰ء تک سنوسیِ کبیر کی کوئی کتاب بھی طبع نہیں ہوسکی تھی۔ ان کی کتابیں جنگ عظیم دوم سے کچھ قبل چھپنا شروع ہوئیں اور وقفے وقفے سے جنگ عظیم دوم کے دوران مصر کے مطبع

خانوں سے طبع ہوتی رہیں۔ ان کی طباعت زیادہ تر امام کے پوتے معزول شاہ لیبیا ادریس ابن المہدی السنوسی کی کوششوں کی مرہون منت ہے، جس نے ان کی ۸ کتابوں کو یکجا کرکے بھی شائع کرایا جس کا نام المجموعة المختارة ہے جو بیروت سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا[۴۴]۔

محمود احمد غازی نے سنوسی کبیر کی تصانیف کی ایک فہرست دی گئی ہے جوحسب ذیل ہے:

۱- المسائل العشر المسمّٰى بغية المقاصد وخلاصة المراصد (القاہرہ،۱۳۵۳ھ)؛ ۲- الدرر السنية فى اخبار السلالة الادريسية (القاہرہ، ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ)؛ ۳-المسلسلات العشرة فى الاحاديث النبّوية ؛۴- السلسبيل المعين في الطرائق الاربعين (القاہرہ،۱۳۵۳ھ)؛ ۵-إيقاظ الوسنان فى العمل بالحديث و القرآن (القاہرہ، ۱۹۳۸ء)؛ ۶- الدرر الفردية فى اوائل الكتب الاثرية ؛ ۷- المنهل الروّي الرائق فى اسانيد العلوم و اصول الطرائق (القاہرہ،۱۹۵۴ء)؛ ۸- الشموس الشارقة فى اسماء مشائخ المشارقة والمغاربة ؛۹- شفاء الصدر فی المسائل؛ ۱۰- ہداية الوسيلة في اتباع صاحب الوسيلة ؛ ۱۱- شذور الذهب فى دحض حق النسب ؛ ۱۲- العجالة فى اوّل من ألف فى فن الحديث ؛ ۱۳- رسالة البحث فى مسألتي القبض والتقليد؛ ۱۴- ازاهدة الاكنة فى العمل باالكتاب والسنة؛ ۱۵- مواہب القيوم فى نزيل روضة الفهوم؛ ۱۶- بغية السول فى الاجتهاد والعمل باحاديث الرسول ؛ ۱۷- البدُور السافرة فى اختصار الشّموس الشارقة؛ ۱۸- نزهة الجنان فى اوصاف مفسّر القرآن؛ ۱۹- منظومة السلوك الى ملك الملوك ؛ ۲۰- المواهب السرية فى منتقى الاوضاع الحرفية؛ ۲۱-تحف المحاضرة فى اداب التفهّم والتفهيم والمناظرة ؛ ۲۲- رسالة الفلاح فى الفتح والنجاح ؛ ۲۳- ريحانة الحبوب فى عمل السطوح والجيوب ؛ ۲۴- قرة عين اهل الصفا فى صلوات المصطفیٰؐ؛ ۲۵- فهم الاكباد فى مواد الإجتهاد؛ ۲۶- الكواكب الدّرية فى اوائل الكتب الاثرية ؛ ۲۷- عصمة الرسول؛ ۲۸- مفتاح الجفر الكبير ؛ ۲۹- التحفة فى اوائل الكتب الشريفة ؛۳۰- سيف النصر والتوفيق و غاية السّلوك والتحقيق ؛ ۳۱-لواسح الخذلان على من لايعمل بالقرآن ؛ ۳۲- مختصر بغية الطلاب فى علم الانساب ؛ ۳۳- شرح البسملة؛ ۳۴- البدُور فى اوائل الأسانيد الفاخرة؛ ۳۵- كتاب الأوائل؛ ۳۶- المجموعة المختاره (بيروت،۱۹۶۲ء)[۴۵]۔

سنوسی تحریک

اسلام میں طریقت کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ اگرچہ تصوّف و سلوک کے طریقے بہت سے ہیں لیکن ان کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا اور ان کا نظام بھی ایک جیسا تھا یعنی تعلیم و تربیت و تزکیہ نفس کے لیے خانقاہوں کا قیام۔ لیکن آج کل کے خانقاہی نظام اور پرانے نظام خانقاہی میں ایک فرق ہے کہ پہلے خانقاہیں صرف حصولِ علمِ دین اور روحانی تربیت کا ذریعہ تھیں ان کی سیاسی حیثیت کوئی نہ تھی۔ صوفیاء اور درویش عموماً حکمرانوں اور امراء سے دور بھاگتے تھے، لیکن اب خانقاہیں سیاسی حیثیت اختیار کرگئی ہیں۔ خانقاہوں اور صوفیاء کے طریقوں نے موجودہ سیاسی حیثیت انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے حاصل کی اور ان میں سب سے اہم کردار سنوسی طریقہ کا رہا ہے[۴۶]۔

سنوسی طریقہ کے متبعین اس لحاظ سے دیگر طریقوں سے مختلف تھے کہ وہ ذکر و عبادت کے لیے نہ صرف عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے بلکہ اپنی دنیاوی زندگی کو بھی بہتر بنانے کے لیے مختلف علوم و فنون سیکھتے تھے، وہ قرآن و سنت تو سیکھتے ہی تھے اور سلف صالحین کی پیروی کو اولیت دیتے تھے۔ وہ نہ صرف احیائے اسلام کے لیے قرآن و سنت کی پیروی اور دینِ حنیف پر عمل کی دعوت دیتے تھے بلکہ ان ہی کی اساس پر مغربی افریقہ میں اسلامی حکومت کے قیام اور اصلاحِ احوال کی دعوت بھی دیتے تھے[۴۷]۔ ڈاکٹر فؤاد شکری سنوسی طریقے کو ''جمعیۃ السوسیۃ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنوسیوں نے ایسی تنظیم قائم کی جس کی نظیر نہ کوئی سیاسی جماعت اور نہ دینی اور روحانی جمعیت پیش کرسکتی ہے۔ اس کی یہی تنظیم اسے دوسرے طریقوں سے ممتاز کرتی ہے اور اسی وجہ سے افریقہ کے اسلامی معاشرے میں اس کا سیاسی اور اجتماعی اثر فقید المثال قسم کا تھا[۴۸]۔

امیر شکیب ارسلان کا خیال ہے کہ سنوسیِ کبیر کی تمام تر جدوجہد کا مقصد افریقہ کے تمام ممالکِ اسلامیہ کو متحد کرنا پھر تمام عالم اسلام کو اکٹھا کرکے ایک مملکت بنانا تھا، جس کا سربراہ ایک خلیفہ ہو۔ یعنی ایک خلیفہ کے ماتحت ایک عظیم اسلامی مملکت کا قیام ان کا مدعا و مقصود تھا[۴۹]۔ سنوسیِ کبیر نے اس مقصد کے حصول کے لیے نہ صرف پہلے افراد معاشرہ کی اخلاقی و روحانی اصلاح و ترقی پر زور دیا بلکہ ساتھ ساتھ ان کے معاشی حالات کو بہتر بنانے پر بھی زور دیا۔ تاکہ وہ علم و عمل میں اور معاش و معاد میں کسی کے محتاج نہ رہیں بلکہ ہر معاملے میں خودکفیل ہوں۔ چنانچہ ہر زاویہ صرف ایک خانقاہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک مدرسہ، تجارتی منڈی، زراعت کا مرکز، کارواں سرائے یعنی مسافر خانہ،

قلعہ، عدالت، بیت المال، گودام، یتیم خانہ اور ثقافتی وسماجی مرکز تھا(۵۰)۔

زاویے کا نظام

ہر زاویہ ایک زرخیز قطعۂ زمین میں قائم کیا جاتا اور زاویے سے منسلک ہر فرد پر لازم تھا کہ وہ ہفتے میں باری باری ایک دن تعلیم وتعلّم کے لیے، ایک دن زراعت و کاشت کاری اور باغبانی سیکھنے کے لیے اور ایک دن جہاد کی عملی تربیت حاصل کرنے کے لیے وقف کرے۔ یعنی ان کے لیے باقاعدہ ایک طے شدہ نظام الاوقات (پروگرام) تھا اور اس طرح ہر زاویہ اپنی خوراک و زراعت کے معاملے میں خودکفیل تھا۔ ہر تین گھنٹے کی مسافت پر ایک زاویہ واقع تھا، ہر قبیلے بلکہ قبیلے کے ہر خاندان کا اپنا زاویہ تھا۔ کم وبیش ہر زاویے کے آس پاس باغات کی بہتات اور پانی کی فراوانی ہوگئی۔ وہاں کوئی مسافر جتنے روز چاہے ٹھہر سکتا تھا(۵۱)۔ زاویے کا منتظم مقدّم یا قیّم کہلاتا تھا۔ مقدم کی اعانت کے لیے ایک وکیل (نائب) ہوتا تھا جو زراعتی اور اقتصادی امور کا ماہر ہوتا تھا۔ مقدمات کے فیصلے کرنا اور زمین کا مالیہ وعشر وغیرہ وصول کرکے مرکزی زاویے کو بھیجنا مقدم کی ذمہ داری تھی۔ ہر زاویے میں ایک شیخ ہوتا جس کا کام قبیلے کے بچوں کی تعلیم و تربیت یعنی ان کو قرآن پڑھانے اور صحیح عقیدہ کی تعلیم دینے کے علاوہ نکاح پڑھانا اور نمازوں کی امامت کرانا ہوتا تھا(۵۲)۔ یعنی زاویہ صرف خانقاہ ہی نہیں ہوتا تھا جہاں سنوسی طریقے کی تعلیم دی جاتی بلکہ وہ نشاطِ علمی کا مرکز تھا جہاں تمام علمی اشغال جاری رہتے۔ زراعت و کاشت کاری اور باغبانی کا فن اور طریقہ وہاں سکھایا جاتا۔ سنوسی تحریک میں زاویے کو ایک تعلیمی و روحانی اور ثقافتی و اقتصادی مرکز کی حیثیت حاصل تھی(۵۳)۔ محمد الطیب الاشہب نے انہیں ''المرکز الاصلاحیۃ'' کا نام دیا ہے(۵۴)۔ زاویہ ایک تجارتی منڈی بھی ہوتا، وہاں آس پاس کی آبادیوں سے تجارت کی چیزیں لائی جاتیں اور ضرورت مند ان کی خرید و فروخت کرتے جیسا کہ آج کل میلوں اور عرسوں پر ہوتا ہے۔ زاویے کے شیخ یا مقدم کے لیے ضروری تھا کہ وہ مقامی منڈیوں کے حالات سے باخبر رہے۔ اس کے مطابق زاویے کی پیداوار ان منڈیوں میں پہنچائے اور اس سے حاصل شدہ منافع زاویے کے انتظام و انصرام پر خرچ کرے اور جو بچ رہے اسے مرکز میں بھیج دے(۵۵)۔ زاویے کے قرب و جوار میں سنوسی تحریک سے منسلک جو افراد مقیم ہوتے وہ اپنا اپنا کھانا لے کر زاویے میں حاضر ہوجاتے تو پہلے تو زاویے میں مقیم اخوان پھر زاویے میں ٹھہرے ہوئے مسافر کھاتے۔ اس طرح ہر زاویہ ایک اجتماعی مرکز کی صورت اختیار کرگیا جہاں مسافر اور زائرین آ کر

ٹھہرتے کیونکہ صحراء میں ایسے اجتماعی مراکز کا وجود غنیمت تھا جہاں انسان تو کجا پرند چرند کا وجود عنقا تھا(۵۶)۔

جب زاویوں کی تعداد بڑھ گئی اور افریقہ و عرب میں زاویے قائم ہوئے تو ان کا انتظام چلانے کے لیے تربیت یافتہ وصحیح العقیدہ اور باکردار افراد کی ضرورت پڑی جن کو سنوسیِ کبیر خود تربیت دے کر بھیجنے لگے۔ یہ لوگ عموماً اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے جہاں زاویہ قائم کیا جاتا(۵۷)۔ محمد الطیب الاشہب نے زاویوں کا جو انتظامی ڈھانچہ بیان کیا ہے اس کے مطابق زاویے کا منتظم شیخ کہلاتا تھا، وکیل اس کا معاون (Assistant) ہوتا تھا جو اس کی عدم موجودگی میں زاویے کا نظم ونسق چلاتا تھا اور عموماً زرعی اور اقتصادی امور کا نگران ہوتا تھا۔ شیخ صرف منتظم ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ منصفی کے فرائض بھی انجام دیتا تھا اور روحانی پیشوا بھی تھا۔ وہ مدرسے کا استاد، مسجد کا امام اور مؤذن تعینات کرتا تھا۔ اکثر حالات میں قبیلے کے معززین پر مشتمل ایک مقامی کونسل بھی تشکیل دی جاتی جو بہت اہم قسم کے امور و معاملات پر غور کرتی تھی، جیسے قبائل کے باہمی تنازعات وغیرہ(۵۸)۔ شیخ کے حقوق و فرائض متعین تھے۔ زاویے کے شیخ کو سال میں کپڑوں کے دس جوڑے (بشمول قمیض، شلوار، پگڑی یا ٹوپی اور جوتے) دیے جاتے جو اونی یا ریشمی نہ ہوتے۔ وہ خدمت کے لیے ایک خادم رکھ سکتا تھا۔ زاویے کے خرچ پر فریضۂ حج ادا کرسکتا تھا اور ایک رائفل اور اصلی نسل کا گھوڑا خرید سکتا تھا۔ شیخ اکبر کی منظوری کے بعد وہ ایک شادی کے اخراجات کا بھی مستحق تھا۔ شیخ اپنے اہل وعیال کے لیے ہفتے میں دو بکریاں ذبح کرنے کا بھی مجاز تھا۔ شیخ اور اُس کی پہلی بیوی کا نان نفقہ زاویے کے ذمہ ہوتا لیکن ایک سے زاید بیویوں کے خرچے کا وہ خود ذمہ دار ہوتا۔ شیخ کا فرض تھا کہ روزانہ مہمانوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرے، البتہ شیخ کو اپنے ذاتی مہمانوں کی مہمان نوازی اس مد سے کرنے کا حق نہیں تھا(۵۹)۔ زاویوں میں طلبہ کی خوراک و رہائش اور پوشاک مفت تھی(۶۰)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا زاویے کے متعلق بیان ہے:

> زاویہ ایک وسیع عمارت مثل مسجد یا مدرسہ کے ہوتی ہے جس میں رہنے کے لیے کم وبیش بہت سے حجرے بنائے جاتے ہیں اور وسط میں شیخ زاویہ کے لیے مخصوص حجرہ ہوتا تھا۔ باہر سے ایک اونچی چار دیواری اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اور دیکھنے والا قیاس کرتا ہے کہ شاید یہ کوئی صحرائی گڑھی اور چھوٹا سا ایک قلعہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں جیسے تیونس، فاس اور الجزائر یا اسکندریہ و قاہرہ میں جو زاویے بنائے گئے وہ مثلِ مدرسہ اور مساجد کے تھے۔ ان کی وسعت و استحکام میں قلعہ نما صورت ملحوظ نہیں رکھی گئی کیونکہ یہ مصالح کے خلاف تھا، مگر اندرون افریقہ وصحراء کے تمام زاویے قلعہ نما تعمیر ہوتے اور ان کی تعداد برابر بڑھتی گئی

حتی کہ اب صحیح تعداد کا بتلانا مشکل ہوگیا ہے۔ ان زاویوں کی صورت یہ ہے کہ وہ اطراف کی تمام آبادی کے لیے ایک مرکزی عمارت کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے اپنے حلقوں کی جماعت کی تعلیم و ارشاد اور نظم و ادارہ کی تمام قوت اس کے اندر ہوتی ہے۔ ہر زاویے میں ایک شیخ ہوتا ہے جسے شیخ اعظم سے ریاست و خلافت کی اجازت ملتی ہے اور وہ اپنے حلقے کے تمام معاملات کا مدبّر و افسرِ کل ہوتا ہے۔ لوگ اسے خلیفہ کے لفظ سے پکارتے ہیں اور وہ نئے آدمیوں سے شیخ اعظم کی نیابت میں بیعت بھی لے سکتا ہے[۶۱]۔

سنوسی دعوت کی اشاعت میں اس کی سادہ اور خالص اسلامی تعلیمات کے علاوہ قبائلی نظام کو بھی خاصا دخل تھا کیونکہ سنوسی تحریک قبائل میں خوب پھلی پھولی۔ جب ایک قبیلہ میں سنوسی زاویہ قائم ہوجاتا تو آس پڑوس کے قبائل اس کی افادیت کو دیکھ کر، کہ یہ ایک تعلیمی و معاشرتی اور اجتماعی و معاشی مرکز کا کام دیتا تھا، ایک وفد حضرت سنوسی کی خدمت میں بھیجتے جو ان سے اپنے علاقے میں سنوسی زاویے کے قیام کی درخواست کرتا۔ سنوسیِ کبیر اس درخواست کو قبول فرما کر اپنے اخوان میں سے ایک تربیت یافتہ اور عالم شخص کو ان کے ہمراہ کردیتے، جو شیخِ زاویہ کے فرائض انجام دیتا، اور اس کے ساتھ دو سنوسی متبعین بھی بھیجتے جو نئے زاویے کو چلانے میں اس کی مدد کرتے۔ سنوسی اخوان میں معمار اور ترکھان کا کام جاننے والے بھی ہوتے۔ شیخ کا کام یہ تھا کہ وہ پہلے زاویے کی تعمیر کے لیے ایک موزوں مقام کا انتخاب کرے، پھر تعمیر کے کام کی نگرانی کرے اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد زاویے کے معاملات کو بخیر و خوبی چلائے۔ تعمیر کا تمام خرچ وہ قبیلہ ادا کرتا جہاں زاویہ تعمیر کیا جاتا[۶۲]۔

البرقہ کے بعض زاویے گو دوسروں سے نسبتاً بڑے تھے لیکن سب کا نقشہ تقریباً ایک ہی جیسا تھا۔ پتھروں سے بنائی ہوئی یہ عمارت ایک مسجد، مدرسے کے کمروں، مہمانوں کے کمروں، اساتذہ اور طلبہ کے رہائشی کمروں، شیخِ زاویہ اور اس کے خاندان کے لیے نیز سنوسی اخوان، وکیل، مقدّم اور دیگر عملے کے خاندان کے مکانات پر مشتمل ہوتی۔ اکثر زاویوں سے ملحقہ باغات ہوتے اور نزدیک ہی قبرستان بھی ہوتے۔ جغبوب کے مرکزی زاویے میں، جو سب سے بڑا زاویہ یا مرکز تھا، کئی سو افراد کے رہنے کی گنجائش تھی۔ درنہ اور العزیات کے کھنڈرات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی کئی سو افراد کے رہنے کی گنجائش ہوتی تھی، جن میں ان کے بیوی بچے بھی شامل ہوتے۔ بہرحال ایک زاویے کی اہمیت اس میں رہائش پذیر افراد کی تعداد پر منحصر نہیں ہوتی تھی بلکہ اس قبیلے کی حیثیت سے اس کی اہمیت متعین ہوتی تھی جس میں زاویہ واقع ہوتا۔ ہر قبیلہ اپنے زاویے کی ضروریات کے لیے مالی وسائل خود فراہم کرتا تھا۔ زاویے کو جائیداد مختلف طریقوں سے حاصل ہوتی تھی۔ جب ایک نئے

زاویے کا شیخ یہ اعلان کرتا کہ اس کے اخوان کے پاس ایسے وسائل و ذرائع نہیں ہیں جن سے وہ اپنے اور زاویے میں مقیم افراد کی خوراک وغیرہ کا بندوبست کرسکیں تو آس پاس کے قبائل زاویے سے ملحقہ اپنی اپنی زمینیں زاویے کے نام ہدیہ و وقف کردیتے۔ وہ میدانی علاقوں میں قابلِ کاشت زمینیں، پہاڑی علاقوں میں کنویں یا چشمے اور صحرائی علاقوں میں کھجور کے درخت ہدیہ یا وقف کردیتے جو زاویے کی ملکیت ہوجاتیں۔ جب کبھی دو قبائل کے درمیان کسی زمین یا کسی قطعہ کی ملکیت متنازعہ ہوجاتی اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو وہ دونوں اس متنازعہ زمین یا قطعے سے زاویے کے حق میں دستبردار ہوجاتے[۶۳]۔ ایک اور طریقہ زمین کے حقِ ملکیت حاصل کرنے کا یہ تھا کہ زاویے میں مقیم اخوان کسی زمین کے مالک سے اس زمین کو کاشت کرنے کی اجازت لے لیتے پھر اس میں مسلسل سالہا سال تک کاشت کرتے رہتے، اس طرح ہمیشہ کے لیے کاشت کے حقوق انہیں حاصل ہوجاتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بے کار پڑی ہوئی زمین یا خراب کنوؤں کو دوبارہ ٹھیک کرلیا جاتا اور وہ زاویے کی ملکیت قرار پاتے[۶۴]۔ اگرچہ زمینوں کی کاشت کا کام زیادہ تر سنوسی اخوان انجام دیتے تھے لیکن قبیلے کے افراد بھی شیخ زاویہ اور اس کے اخوان کی زمین کی کاشت کے سلسلے میں مدد کرتے۔ جب کاشت کا موسم آتا تو شیخِ زاویہ اپنا خیمہ اس زمین میں تان دیتا جسے کاشت کرنا مقصود ہوتا، پھر ایک اجتماعی کھانے کا اہتمام کرتا مقامی قبیلے کے لوگ اپنے بیلوں کی جوڑیاں لے آتے اور کچھ دنوں تک زمینوں میں ہل چلاتے اور بیج ڈال دیتے۔ یہی عمل فصل کاٹنے کے وقت دہرایا جاتا[۶۵]۔ زمینوں کے عطیات اور کاشت کاری میں مدد کے علاوہ قبائل ہر فصل کے موقع پر عشر باقاعدگی سے ادا کرتے اور اپنے مویشیوں کی زکوٰۃ بھی دیتے۔ اس کے علاوہ نقد اور جنس کی صورت میں بھی عطیات دیتے مثلاً چاول، چائے، چینی اور پارچہ جات وغیرہ۔ غلام اور گھوڑے بھی بطور عطیہ دیے جاتے تھے[۶۶]۔ زاویے کی ملکیتی زمین وقف ہوتی تھی جسے البرقہ کی زبان میں (حبس) کہتے تھے۔ یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی تھی اس معاملے میں اصل الاصول یہ تھا کہ ہر شخص کی خدمات زاویے کے لیے وقف ہوں اور زاویہ ہر شخص کے لیے ہو۔ جو قبیلہ اپنے علاقے میں زاویہ قائم کرنے کی خواہش کرتا وہ اس مقصد کے لیے اپنی زمین زاویے کے لیے وقف کردیتا پھر جو بے آباد اور بنجر زمین اہلیانِ زاویہ آباد کرلیتے وہ بھی زاویے کی ملکیت بن جاتی۔ زاویے کی ملکیتی زمین لاکھوں ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اکثر زاویوں کی زمین کا رقبہ ۱۰۰۰ ایکڑ سے زیادہ ہوتا۔ البرقہ کے ۱۴ زاویوں کی زمین کا مجموعی رقبہ (۱۹۱۹ء میں جس کی رجسٹریشن ایک مشترکہ اطالوی اور سنوسی کمشن نے کی) ۲۰۰,۵۰،۰۰۰ ایکڑ

تھا جبکہ تمام زاویوں کا مجموعی رقبہ تقریباً ۵۰۰,۰۰۰ (پانچ لاکھ) ایکڑ تھا[۶۷]۔

اگر زاویوں کا جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم یہ ہوگا کہ عموماً زاویے برلبِ ساحل کنوؤں کے آس پاس یا جہاں قافلوں کے راستے ملتے تھے قائم کیے جاتے تھے۔ اکثر زاویے قدیم یونانی اور رومن کھنڈرات کی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر کیے گئے تھے (جیسے زاویہ البیضاء، جبلِ اخضر اور ملحقہ ساحلی پٹی پر واقع زاویے) کیونکہ تعمیر کے لیے وہاں پتھر وغیرہ بآسانی مل جاتے۔ ہر زاویے کے درمیان تقریباً یکساں فاصلہ تھا جو گھوڑوں کے ذریعے پانچ یا چھ گھنٹوں میں طے کیا جاسکتا تھا لیکن صحرائی اور نیم صحرائی زاویوں کے مابین مسافت اس سے بہت مختلف تھی۔ ان میں سے بعض زاویے ایک دوسرے سے تین تین دنوں کی مسافت پر واقع تھے۔

زاویۂ جغبوب

جس طرح تصوف کے سلاسل میں خانقاہوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی طرح سنوسی زاویے سنوسی تحریک میں ایک خاص اہمیت کے حامل تھے۔ چونکہ تمام اہم زاویوں کا احاطہ تو ناممکن امر ہے، ریکارڈ کی عدم دستیابی کی وجہ سے۔ صرف دو اہم ترین زاویوں یعنی جغبوب اور کفرہ، جو البرقہ میں واقع تھے اور تحریک میں یکے بعد دیگرے مرکزی اہمیت رکھتے ہیں، کے متعلق کچھ ریکارڈ میسر ہے۔ ان زاویوں میں سے زاویۂ جغبوب کا چونکہ موضوعِ زیرِ تحقیق سے خاص تعلق ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ تفصیل سے گفتگو بے فائدہ نہ ہوگی۔ البیضاء اور دیگر مقامات مثلاً جبل الاخضر میں زاویے قائم کرنے کے بعد سنوسیِ کبیر آخری حج کی ادائیگی کی غرض سے حجاز تشریف لے گئے۔ واپسی پر (۱۸۵۴ء) انھوں نے العزیات کے زاویے کے بجائے جغبوب کو اپنا نیا صدر مقام بنانے کا فیصلہ کرلیا[۶۸]۔ سنوسیِ کبیر نے جغبوب میں ایک زاویہ تعمیر کرایا اور اکتوبر ۱۸۵۶ء بمطابق صفر ۱۲۷۳ھ میں العزیات سے جغبوب پہنچے[۶۹]۔ زاویے کی عمارت حسب معمول ایک مسجد، مدرسہ، سنوسی خاندان کی رہائش کے لیے مکانات، اخوان کے لیے رہائشی مکانات، طلباء کے حجروں، مطبخ، چمڑے کے کام، نجاری، آہن گری، پارچہ بانی اور جلد سازی کے لیے کارخانوں، اسلحہ خانے اور سامان کے مخازن (گوداموں) پر مشتمل تھی۔ یہ کمپلیکس رفتہ رفتہ تکمیل کے مراحل طے کرتا رہا اور المہدی کے دور میں اس میں کافی اضافہ ہوا۔ انھوں نے ۱۸۹۵ء میں کفرہ کو صدر مقام بنانے تک اپنا صدر مقام یہیں رکھا۔ المہدی کے کفرہ منتقل ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت میں کمی آ گئی تھی لیکن محمد المہدی کی ۱۹۰۲ء

میں وفات کے بعد احمد الشریف السوسی کے زمانے (۱۹۰۲-۱۹۱۸ء) میں اس کو پھر وہی اہمیت حاصل ہوگئی(۷۰)۔ جغبوب کی آبادی کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ رین چھ اور سات ہزار کے درمیان بتاتے ہیں جن میں چار سو (۴۰۰) اخوان بھی شامل تھے جبکہ دو فیریر کے مطابق تقریباً ایک ہزار آزاد اور دو ہزار غلام تھے۔ ایوانز پرچرڈ نے ایک ہزار بتائی ہے(۷۱)۔اس کا رقبہ ایک مربع کلو میٹر تھا۔

زاویۂ جغبوب بنیادی طور پر ایک جامعہ تھی اور اس کی آبادی طلبہ اور اساتذہ پر مشتمل تھی۔ سنوسیِ کبیر نے یہاں ایک عظیم جامع مسجد تعمیر کرائی جس کے ایک حصے کو مدرسہ حفظ القرآن کے طور پر استعمال کیا جانے لگا اور ساتھ ہی ایک جامعہ یعنی دارالعلوم کا اجراء فرمایا۔ جامعہ کے نصاب میں علوم شریعت، قواعدِ لغتِ عربی، منطق، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، علمِ نجوم، علمِ ہندسہ اور ریاضی کے علاوہ ان جملہ علوم کی تدریس ہوتی تھی جو طالب علم کو نظری اور علمی طور پر حقیقتِ دین کے سمجھنے میں مدو معاون ہوتے۔ اس دارالعلوم میں اپنے وقت کے مشہور ومعروف اساتذہ درس دیا کرتے تھے، جن کی وجہ سے طلبہ جوق در جوق اطراف و جوانب سے کشاں کشاں اس مرکزِ علمی کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔جامعہ سے ملحق ایک مکتبہ تھا جس میں چودہ ہزار نادر و نایاب کتب کا ذخیرہ تھا اور ایک ہزار سے زیادہ قلمی مخطوطات موجود تھے۔

تعلیم وتعلّم کے علاوہ جامعۂ جغبوب کے طلبہ کے لیے اپنے رجحانِ طبع کے مطابق مختلف قسم کی صنعت وحرفت اور دستکاریوں کا سیکھنا بھی لازمی تھا۔ ان میں معماری، نجاری، آہن گری، کفش سازی، چمڑا رنگنا، پارچہ بانی، رنگ سازی، شیشہ گری، جلد سازی اور زراعت و باغبانی وغیرہ شامل تھیں۔ عموماً جمعرات کا دن ان دستکاریوں کے سیکھنے کے لیے وقف تھا اور سنوسیِ کبیر خود بہ نفس نفیس ان کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہوجاتے۔ اس طرح ان طلبہ میں صنعت وحرفت اور دستکاریاں سیکھنے میں بجائے عار کے جذبہ تفاخر جنم لیتا اور محنت کی عظمت پر ان کا یقین بڑھ جاتا(۷۲)۔ جمعہ کا روز فوجی تربیت اور مشقوں کے لیے ہوتا تھا۔ طلبہ شہ سواری، نشانہ بازی کرتے اور تیز اندازی سیکھتے۔ سنوسیِ کبیر اور ان کے بیٹے محمد المہدی یہاں بھی ان کی نگرانی کے لیے موجود ہوتے۔ اس طرح ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی۔ جامعۂ جغبوب کے طلبہ میں کھیلوں کو بھی فروغ دیا گیا۔ البرقہ میں چونکہ دو ہی کھیل زیادہ مقبول تھے، فٹ بال اور ہاکی تو یہی کھیل طلبہ بھی کھیلتے۔ طلبہ کی رہائش کے لیے جو حجرے (کمرے) بنائے گئے تھے انہیں خلوۃ کہا جاتا تھا۔ کئی خلوات کو ملا کر ایک رباط بنایا جاتا، ہر علاقہ یا شہر کے لیے جدا جدا رباط ہوتے تھے۔ جامعۂ جغبوب سے تحریک کے مستقبل کے راہنما یعنی زاویوں

کے شیوخ اور پر جوش مبلغ تعلیم و تربیت پاتے۔ سنوسی کی سرکردگی میں جید علمائے کرام یہاں درس دیتے تھے[۷۳]۔

زاویوں کی ہیئتِ ترکیبی

زاویہ چھوٹا ہوتا یا بڑا درج ذیل عمارات پر مشتمل ایک کمپلیکس ہوتا تھا:

۱) مسجد: مسجد زاویے کا اہم حصہ ہوتی[۷۴] جہاں اہلیانِ زاویہ اور آس پاس کے قبائل نمازیں ادا کرتے۔ ۲) مدرسہ یا سکول: مدرسہ یا سکول جنہیں عموماً مکاتبِ قرآنیہ کے نام سے یاد کیا جاتا، یہاں سنوسی اخوان کے بچے قرآن پڑھنا سیکھتے نیز اصول و عقائدِ اسلام اور عربی کی تعلیم حاصل کرتے، یہ تعلیم لازمی تھی اور کوئی شخص بلاوجہ اپنے بچوں کو ان مدارس سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ۳) مضافہ یا مضیافہ: یعنی مہمان خانہ۔ یہاں عموماً غریب لوگ یا مسافر ٹھہرتے تھے اور مہان نوازی کا لطف اٹھاتے تھے۔ بعض مہمان خانوں میں امیر سوداگر اور تاجر پیشہ بھی قیام کرتے اور یہ کمرے ان کے سامانِ تجارت رکھنے کے کام بھی آتے۔ اس طرح زاویے ایک کاروان سرائے اور مال خانہ کا کام دیتے جس کے گونا گوں مالی فوائد زاویے اور اہالیانِ زاویہ کو حاصل ہوتے۔ ۴) مخزن: سامان کے گودام۔ ۵) رہائشی مکانات: شیخ زاویہ اور زاویے کے دیگر عملے کی رہائش کے لیے مکانات بنائے جاتے تھے۔ ۶) طلباء کے حجرے: ان طلباء کی رہائش کے لیے جو دور دراز علاقوں سے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے، حجرے بنائے جاتے تھے۔ ۷) مطبخ جہاں طلبہ اور مہمانوں کا کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ ۸) کارگاہ (ورکشاپ): بڑے زاویوں میں جہاں طلبہ کو مختلف پیشے بھی سکھائے جاتے تھے۔ ۹) اصطبل۔ زاویوں میں مستقل رہنے والوں کے ذمے مختلف فرائض تھے۔ اخوان کی بنیادی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ پڑوسی قبائل میں سنوسی دعوت کے پیغامبر تھے۔ زاویے کا شیخ زاویے کا سربراہ، علاقے کا حاکم اور منصف (قاضی) ہوتا تھا۔ لیبیا کے ان دور دراز علاقوں میں حکومت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا علاقے کے لوگ اپنے مسائل کے حل اور اپنے تنازعات کے فیصلے کے لیے زاویے کے شیخ کی طرف رجوع کرتے تھے، جسے اپنے اعلیٰ کردار، ذاتی ذہانت و امانت کی وجہ سے قبائل میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ زاویوں کی دفاعی ضروریات کو بھی بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ سنوسیِ کبیر ہمیشہ زاویوں کے شیوخ اور پیروکاروں کو اپنے دفاع کی اہمیت یاد دلاتے اور ہر غیر متوقع صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور مستعد رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

وہ اس کے لیے ہر قسم کے اسلحہ اور سازو سامان کی فراہمی پر زور دیتے تھے۔ زاویہ اور اس سے ملحقہ علاقہ حرم کا درجہ رکھتا تھا اور اس کی حدود میں داخل ہونے والا اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرے سے محفوظ و مامون پاتا تھا۔ بشرطیکہ وہ زاویے کے مقررہ قواعد و ضوابط کا پابند رہے اور ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ زاویے میں اونچی آواز سے بولنا، لڑنا جھگڑنا اور گانا وغیرہ منع تھا۔

اکثر حالات میں زاویہ ایک ایسے سماجی بہبود کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا جو لوگوں کو اپنے حالاتِ زندگی اور ذرائع و وسائل کو بہتر بنانے میں ممدو معاون ثابت ہوتا۔ سنوسی اخوان محنت کی عظمت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ زاویے میں کوئی بھی بے کار اور کام سے جی چرانے والا شخص زیادہ عرصے تک مقیم نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ ہاتھ ہلائے بغیر مفت کی روٹیاں توڑتا رہے۔ سنوسی اخوان نے نہ صرف یہ کہ لوٹ مار کے عادی قبائل کو کسبِ رزق حلال کے لیے کاشت کاری جیسی محنت و مشقت کا عادی بنایا بلکہ ان میں شجر کاری اور مویشیوں کی بہتر طور سے نگہداشت کرنے کے طریقوں کو رواج دیا۔ زاویوں کے مکین اس سلسلہ میں مقامی آبادی کے لیے نمونہ ثابت ہوتے۔ وہ ان کو کاشتکاری کے بہتر طریقوں سے روشناس کراتے۔ جغبوب اور کفرہ کے زاویے اپنے ماڈل زرعی فارموں کے لیے کافی مشہور تھے۔ جبلِ اخضر کا زاویہ اپنے پھل دار درختوں اور باغات کے سلسلے میں معروف تھا۔ سوس کا زاویہ اچھی نسل کے مویشی پالنے اور ان کی نسل کشی کے لیے شہرت رکھتا تھا(۷۶)۔

زاویوں کی تعداد

سنوسی زاویوں کی اصل تعداد کافی متنازع فیہ ہے۔ چند در چند وجوہات کی وجہ سے ان کی اصل تعداد کا شمار آسان نہیں ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ گردشِ زمانہ کی وجہ سے ان کی تعداد کم و بیش ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ یہ تحریک ایک ترقی پذیر تحریک تھی تو زاویوں کی تعداد بتدریج بڑھتی رہی پھر جب اطالوی اور فرانسیسی استعمار نے ان زاویوں کو مسمار کردیا تو ظاہر ہے ان کی تعداد کم ہوگئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اطالویوں اور فرانسیسیوں کی انتقامی کارروائیوں کے پیش نظر بعض زاویے دوسرے سلاسل مثلاً قادری، درقاوی یا تیجانی سلاسل کے نام سے کام کرتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض یورپی مصنفین نے بعض صورتوں میں کچھ ایسے زاویے بھی ان کے کھاتے میں شمار کیے ہیں جو سنوسیوں کے نہیں تھے۔ سنوسی تحریک پر اوّلین لکھنے والوں میں سے مسٹر ڈوویر (دو فیریر، H. Duveyrier) نے ۱۸۸۳ء

میں ان زاویوں کی تعداد ۱۲۱ بتائی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق مختلف علاقوں میں ان کی تعداد اس طرح ہے: مصر میں ۱۷، ترکی میں ا، حجاز میں ۲، طرابلس، البرقہ اور فزان میں ۶۶، تیونس میں ۱۰، الجیریا میں ۸، مراکش میں ۵ اور افریقہ کے دوسرے حصوں میں ۱۲(۷۷)۔ رین (Rinn) کے مطابق ۱۸۸۴ء میں زاویوں کی تعداد ۸۷ تھی: مصر میں ۱۰، حجاز میں ۱۲، طرابلس، البرقہ اور فزان میں ۵۶۔ ڈیپونٹ کوپلانی (Depont et Coppolani) نے ۱۸۹۷ء میں ان کی تعداد صرف ۴۶ بتائی ہے جن میں سے ۳۳ البرقہ میں، ۵ طرابلس میں، ۳ عرب میں، ۳ مشرقی سوڈان میں، ا، الجزائر میں اور ا مصر میں تھے(۷۸)۔ المنار کے ایک مقالہ نگار زید الخیر کے مطابق سلوم اور اسکندریہ (مصر) کے درمیان ۱۴ زاویے موجود تھے جو اپنے علاقوں کے بجائے اپنے شیوخ کے ناموں سے مشہور تھے(۷۹)۔ امیر شکیب ارسلان نے ۱۳۲ زاویوں کے ناموں کی ایک طویل فہرست دی ہے اور ۶ بغیر نام کے گنائے ہیں۔ علاقوں کے لحاظ سے ان کی تقسیم یوں ہے: لیبیا میں ۷۵، مصر میں ۳۲، وسطی افریقہ میں ۱۰، حجاز میں ۱۳، تیونس میں ۶ اور الجیریا میں ۲۔ امیر شکیب ارسلان نے زاویوں کے ناموں کی فہرست میں زاویوں کے اس وقت کے شیوخ کے نام بھی دیے ہیں(۸۰)۔ مولانا ابوالکلام نے (۱۹۱۲ء میں) ۵۶ زاویوں کے ناموں کی ایک فہرست بمع شیوخ کے دی ہے اور ان قبائل کے نام بھی دیے ہیں جن میں یہ زاویے قائم ہوئے(۸۱)۔ امیر شکیب ارسلان نے زاویوں کی کل تعداد ۳۰۰ بتائی ہے "مجموع زاویا السنوسیه الیوم ثلاث مائة زاویة"(۸۲)۔

سنوسی کے پیروکار

سنوسِی کبیر کے پیروکاروں کی صحیح تعداد معلوم کرنا بھی اسی طرح دشوار امر ہے جس طرح سنوسی زاویوں کی صحیح تعداد بتانا۔ دوفیریر نے ۱۸۸۳ء میں تیس لاکھ کا اندازہ لگایا کیونکہ اس کے خیال میں طرابلس، البرقہ اور شمالی سوڈان کا ہر مسلمان سنوسی ہے۔ رین کے خیال کے مطابق ۱۸۸۴ء میں پچیس ہزار (۲۵,۰۰۰) پیدل اور پندرہ سو (۱۵۰۰) شہ سوار سنوسِی کبیر کے ایک اشارۂ ابرُو کے منتظر رہتے تھے(۸۳)۔ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں افراط تفریط کا شکار ہوگئے ہیں۔ درحقیقت پیروکاروں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا ایک تو آسان کام نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی معتبر ریکارڈ میسر نہیں ہے۔

سنوسی تحریک کی تعلیمی اور تبلیغی خدمات

سنوسیِ کبیر کی تحریک بنیادی طور پر احیائے اسلام کی تحریک تھی، جس کی غایت و مقصود اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء اور مسلم معاشرے کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا تھا۔ اس کے لیے وہ اسلامی علوم کی اشاعت و ترویج کو بہت اہم تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلامی تعلیم کی اشاعت کو جملہ امور پر فوقیت حاصل تھی۔ چنانچہ انہوں نے زاویوں کو تعلیم و تربیت اور اشاعت و تبلیغ و دین کے مراکز بنادیا(۸۴)۔ بطور خاص جامعۂ جغبوب میں اپنے زمانے کے بحرالعلوم اساتذہ تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے۔ اکثر سنوسی شیوخ اور علماء یہاں کے فارغ التحصیل تھے۔ دیگر زاویوں کے تمام تعلیمی ادارے براہِ راست جامعۂ جغبوب سے منسلک تھے(۸۵)۔ ایک جامع نصاب اور تعلیمی پالیسی کے تحت تمام اساتذہ اور منتظمین کی یہاں سے ہی نگرانی کی جاتی تھی۔ سنوسیِ کبیر کا ایک مشہور سوانح نگار ایوانز پرچرڈ جامعۂ جغبوب کو جامعۂ ازہر کے بعد عالم اسلام کی دوسری بڑی یونیورسٹی قرار دیتا ہے(۸۶)۔

سنوسی نظامِ تعلیم میں خواتین کی تعلیم کو بھی یکساں اہمیت دی جاتی تھی۔ جامعۂ جغبوب اور دیگر زاویوں میں ان کا اپنا علیحدہ شعبہ تھا جہاں خواتین معلمات طالبات کو تعلیم دیتی تھیں۔ مزید براں انہیں امورِ خانہ داری کی تربیت دی جاتی تھی تاکہ وہ گھر کا نظام احسن طریق پر چلاسکیں اور ساتھ ساتھ وہ خواتین میں سنوسی دعوت و تحریک کو فروغ دینے میں اپنا حصہ ڈال سکیں(۸۷)۔ تعلیم بالغاں کا بھی سنوسی تعلیمی نظام میں ایک الگ شعبہ تھا۔ ان کے لیے ہفتے میں دو دن یعنی سوموار اور جمعہ کو شام کے اوقات میں تعلیم و تدریس ہوتی تھی۔ ان حضرات کو عموماً زاویوں کے شیوخ اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھانے اور قرآن کریم صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سکھاتے یعنی تجوید کے ساتھ(۸۸)۔ بیسویں صدی کے اوائل میں سنوسی زاویوں کی یہ علمی سرگرمیاں جنگ کی وجہ سے کافی متاثر ہوئیں کیونکہ سب طلباء و اساتذہ کو جہاد میں حصہ لینا پڑا۔ فرانسیسیوں اور اطالویوں کے خلاف عسکری جدوجہد کے دوران علمی سرگرمیاں تقریباً منقطع ہوکر رہ گئیں اور سنوسی علمی مراکز سے علماء کے بجائے صرف مجاہدین پیدا ہونے لگے(۸۹)۔

سنوسی نظام تعلیم و تبلیغ کا ایک اہم اور منفرد شعبہ غلاموں کی تعلیم کا تھا۔ غلامی کا اس زمانے میں تمام افریقہ میں عام چلن تھا (غلامی کی لعنت سنوسی دور میں تمام افریقہ میں عام تھی)۔ سنوسی زعماء نے اس غیر انسانی رویے کو انسانی رویے میں تبدیل کر کے قرونِ اولیٰ کی روایت کو زندہ کردیا کہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ سعید میں غلاموں کو زیورِ علم سے آراستہ کرکے آزاد کردیا جاتا تھا تاکہ وہ ایک آزاد اسلامی معاشرے کی تشکیل میں مثبت اور تعمیری کردار ادا کرسکیں۔ سنوسی زعماء کرتے یہ تھے کہ وہ وسطی افریقہ سے غلام بچوں کو خریدتے تھے اور انہیں جغبوب، غدامیس (طرابلس) اور دیگر اہم سنوسی زاویوں کے تعلیمی مراکز میں اسلامی تعلیمات کے حصول کے لیے بھیج دیتے تھے، جب وہ اپنی تعلیم و تربیت مکمل کرلیتے اور بالغ بھی ہوجاتے تو انہیں آزاد کرکے اپنے وطنِ مالوف واپس بھیج دیا جاتا جہاں وہ اسلام اور سنوسی دعوت کا پرچار کرتے تھے۔ اسی طرح ہر سال سیکڑوں سنوسی مبلغین علمِ دین کے زیور سے آراستہ کرکے شمالی افریقہ کے تمام حصوں کے علاوہ وسطی افریقہ میں صومالیہ کے مشرقی ساحلوں سے گیمبیا کے مغربی ساحلوں تک تعلیم و تبلیغ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ افریقہ میں ناخواندہ اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ بدو قبائل میں سنوسی دعوت اور اسلامی تعلیمات کی سرعت کے ساتھ وسیع اشاعت انہی آزاد کردہ غلاموں کی سعی و کاوش کی مرہون منت ہے[۹۰]۔

ایک مرتبہ محمد ابن علی سنوسی نے غلاموں کا پورا کاروان (قافلہ) خرید کرکے بہ نفس نفیس ان کی تعلیم و تربیت کی اور پھر جب تعلیم مکمل ہوگئی تو انہیں ودائی میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے بھیج دیا[۹۱]۔ اسی طرح محمد المہدی السنوسی (۱۸۴۴-۱۹۰۲ء) جب جغبوب سے کفرہ منتقل ہوئے تو پچاسی غلاموں کی تعلیم و تربیت مکمل کرکے ان کو آزاد کردیا اور جغبوب میں انہیں وہ زمین اور باغات بھی عنایت کردیے جو وہ کاشت کرتے تھے۔ انہوں نے سنوسی دعوت کی اشاعت میں دن رات ایک کردیا۔ان آزاد کردہ اور تعلیم یافتہ غلاموں نے نہ صرف اسلامی تعلیمات اور سنوسی دعوت کو اپنے اپنے علاقوں میں خوب پھیلایا بلکہ علاقے کی معاشی، سماجی اور زرعی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ آرنلڈ بھی افریقہ میں ان آزاد کردہ غلاموں کی تعلیمی و تبلیغی مساعی کا معترف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق سنوسی مبلغین نے افریقہ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ وہ سنوسیوں کی تبلیغی مساعی کے بارے میں رقم طراز ہے:

۱۸۳۷ء میں الجزائر کے ایک فقیہ نے، جس کا نام محمد بن علی السنوسی تھا، ایک مذہبی انجمن یا جماعت کی بنا ڈالی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی اشاعت کی جائے۔ اگرچہ سنوسی طریقہ دراصل ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصدِ اولین مسلمانوں کی اصلاح تھی، لیکن یہ لوگ عملی طور پر اسلام کی اشاعت میں بھی مصروف ہیں۔۔۔۔ اس سنوسی تنظیم کا مرکز جغبوب کے نخلستان میں ہے جو صحرائے لیبیا میں مصر اور طرابلس کے درمیان واقع ہے۔ یہاں ہر سال سیکڑوں مبلغوں کی تربیت کی جاتی ہے اور پھر ان کو شمالی افریقہ کے تمام حصوں میں تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مبلغوں نے

بے اندازہ کامیابی حاصل کی ہے، چنانچہ افریقہ کے کئی قبیلے، جو پہلے بت پرست یا برائے نام مسلمان تھے، سنوسی مبلّغین کی آمد کے بعد اسلام کے پرجوش حلقہ بگوش بن گئے ہیں۔ مثلاً ان مبلّغوں نے کوشش کی ہے کہ بائلی قوم کے اس حصے کو مسلمان کرلیں جو ابھی تک بتوں کو پوجتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس قبیلے کے باقی ماندہ افراد میں بھی اپنے جیسا مذہبی جوش و خروش پیدا کردیا ہے، حالانکہ اس سے پیشتر یہ لوگ برائے نام مسلمان تھے اور دین اسلام کا محض سطحی علم رکھتے تھے۔ (بائلی ایک قبیلہ ہے جو بورکو کے مشرق میں اینڈی کے پہاڑی علاقے میں رہتا ہے)۔ اسی طرح صحرا میں فزان کے جنوب میں تیبستی کی رہنے والی تیدا قوم کے لوگ، جو سنوسی مبلغوں کے آنے سے پہلے برائے نام مسلمان تھے، پکے اور متشرع مسلمان بن گئے ہیں اور سنوسی مبلغوں کی کامیاب تبلیغ کا ثبوت ہیں۔ اس فرقے کے مبلغ گالا کے ملک میں بھی زور وشور سے تبلیغ کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ہر سال ہرر سے تازہ واعظ روانہ کیے جاتے ہیں۔ ہرر میں سنوسیوں کو بڑا اثر و رسوخ حاصل ہے۔ امیر کے دربار میں جتنے سردار ہیں، وہ سب سنوسی کے ارادت مند ہیں۔ اپنی تبلیغ کو کامیاب بنانے کے لیے سنوسی مبلغ مدرسے کھولتے ہیں، صحرا کے نخلستانوں میں بستیاں بساتے ہیں اور خاص کر ودائی کے علاقے میں انھوں نے غلام خرید کر اپنی تعداد میں خاصا اضافہ کرلیا ہے۔ وہ جغبوب کے زاویے میں ان کی تربیت کرتے ہیں اور جب وہ سنوسی عقائد میں خوب پختہ ہوجاتے ہیں تو ان کو آزاد کرکے اپنے وطن میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے ابنائے وطن کو بھی مسلمان کریں(۹۲)۔

سنوسی تحریک کے اثرات

سنوسی تحریک عالم اسلام کی ان تحریکوں میں سے ہے جس نے اپنے دورِ عروج میں وسطی و شمالی افریقہ کی مسلم معاشرت و سیاست پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے ایک طرف تو سیاسی میدان میں اطالوی، فرانسیسی اور برطانوی سامراج کا مقابلہ کیا، اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر جو برائیاں اور کمزوریاں راہ پاگئی تھیں ان کو دور کرکے معاشرے میں صحیح اسلامی روح بیدار کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ سنوسی تحریک کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دین و دنیا کی تفریق ختم کرکے مذہب اور سیاست کو ہم آہنگ کردیا جائے(۹۳)۔ سنوسی تحریک کے بانی اور روح رواں محمد ابن علی سنوسی قرآن و سنت کی اساس پر مسلم معاشرہ اور ریاست کا احیاء چاہتے تھے۔ مریم جمیلہ سنوسی تحریک کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

ترجمہ: سنوسی تحریک کا منتہیٰ و مقصود خالصتاً قرآن و سنت کے احکام کی اساس پر عالم اسلام کا مکمل روحانی احیاء یعنی اسلامی نظام کا قیام تھا(۹۴)۔

محمد اسد کے خیال میں اس تحریک کا مقصد ایک اسلامی دولت مشترکہ (خلافتِ اسلامیہ) کا

قیام تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

The great Algerian scholar Muhammad Ibn ʻAli, as-Sanusi (Thus surnamed after the clan of Banu Sanus, to which he belonged), who in the first half of the century conceived the idea of an Islamic fraternity which might pave the way to the establishment of a truly Islamic commonwealth(۹۵).

ترجمہ: الجزائر کے عظیم عالم دین محمد ابن علی سنوسی (جو قبیلہ بنوسنوس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سنوسی کہلائے) نے انیسویں صدی کے پہلے نصف میں ایک ایسی اسلامی برادری یا اسلامی جماعت کی تشکیل کی جو ایک اسلامی دولت مشترکہ کے قیام کی راہ ہموار کر سکے۔

سید رضوان علی سنوسی تحریک کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ترجمہ: سنوسی کبیر کی تحریک کا بنیادی مقصد روحانی اور اخلاقی اصلاح و احیاء تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان پھر سے صدرِ اوّل (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسلام کو اپنائیں۔ انہوں نے اسلام میں جو بدعات اور خرافات داخل ہوگئی تھیں ان کا سختی سے رد کیا۔ انہوں نے اس غرض کے لیے جو زاویے قائم کیے ان میں اُن کے پیروکار قرآن و سنت کے احکام کے مطابق خالص اسلامی طریقے سے اپنی زندگی گزارتے تھے(۹۶)۔

سید احتشام احمد ندوی اپنے مضمون ''سنوسی تحریک کی نظریاتی و تنظیمی بنیادیں'' میں رقم طراز ہیں:

شیخ سنوسی نے عالم اسلام کی حالت پر غور کر کے اور سوچ سمجھ کر یہ تحریک شروع کی تھی جو نہ کسی خاص ملک یا خاص قوم تک محدود تھی نہ کسی خاص وقت کے لیے مؤقت تھی۔ نظریاتی حیثیت سے یہ دعوت بہت وسیع تھی۔ خود شیخ سنوسی اگرچہ مالکی المذہب تھے مگر ان کی دعوت میں ہر قسم کے لوگ شریک تھے، وہ اندھی تقلید کے بالکل قائل نہ تھے۔ اس تحریک کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ ان غلط عقائد اور رجحانات کو جو مسلمانوں میں پیدا ہوگئے ہیں دور کیا جائے اور خالص دین کی دعوت عام کی جائے، ذہنی حیثیت سے مسلمانوں میں توسع اور روشن خیالی پیدا کی جائے۔ سنوسی طریقہ اجتماعیت اور عملیت پر مبنی تھا۔ یہ سیاسی جمعیت تھی، مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ جماعت افریقہ میں مسلمانوں کی صفوں کو مجتمع کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ اسلام کے پرچم کے نیچے تمام دنیا کے مسلمانوں کو جمع کرنا اس کا مقصد ہے، تاکہ مسلمان عیسائیوں سے نجات پائیں اور اُن میں صحیح اسلامی رُوح پیدا ہوجائے۔ اس تحریک نے ایک طرف اخلاقی، اصلاحی اور دوسری طرف مادی زندگی کی تشکیل میں زراعت اور دوسرے معاشی وسائل کو استعمال کر کے مدد دی ہے۔ شیخ سنوسی کے خطوط جو انہوں نے بعض احباب کے نام لکھے ہیں ان کے پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی تحریک اور تعلیم کا مقصد قرآن اور حدیث کی بنیاد پر دنیا کی تعمیرِ جدید تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا ہوجائے اور پھر وہ اس کی بنیاد پر دنیا کی تعمیر کرسکیں۔ شیخ سنوسی نے ہر جگہ دینی علوم کے ساتھ تجارت اور صنعت میں ترقی کی تلقین کی ہے دین اور دنیا الگ الگ نہیں بتائے ہیں۔

اس تحریک کا مطمحِ نظر صرف مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی اصلاح ہی نہیں بلکہ ان کی مادی ترقی و خوشحالی بھی تھا۔ خود شیخ فرماتے ہیں کہ صرف علوم عقلیہ اور نقلیہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے کافی نہیں ہیں ان کے ساتھ ساتھ صنعتی علوم کی تحصیل بہت ضروری ہے(۹۷)۔

سنوسی تحریک حقیقی معنوں میں دعوت الی اللہ کی تحریک تھی جس کے مقاصد میں سے پہلا مقصد مسلمانوں کو قرآن و سنت کی سختی سے پیروی کی دعوت دینا تھا، دوسرا مقصد مسلمانوں کے بچوں کو دینی و فنی تعلیم دینا تھا، جس سے وہ نابلد تھے۔ تحریک کا تیسرا مقصد قبائل کے آپس کے تنازعات کو ختم کر کے ان میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کر کے انہیں ایک عظیم مقصد یعنی تبلیغِ اسلام کے لیے تیار کرنا تھا۔ چوتھا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی پستی، معاشرتی بدحالی، سیاسی درماندگی اور معاشی پسماندگی کی اصلاح کر کے ایک صحیح اسلامی معاشرے اور ریاست کا قیام تھا۔ الغرض سنوسی تحریک ایک ایسی جامع و مانع اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا طریقۂ کار شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھا۔ انسانی زندگی کے ہر عملی پہلو کو محیط، کسی پہلو کو خواہ معاشرتی ہو یا معاشی، اخلاقی و روحانی ہو یا سیاسی اس نے نظر انداز نہیں کیا تھا اور یہ ایک ایسی بین الاقوامی اسلامی تحریک بن گئی تھی کہ تمام اسلامی ممالک میں اس کی شاخیں (زاویے) قائم ہوگئے تھے۔ بہرحال سنوسی تحریک تجدید و احیائے دین کے میدان میں جدید دنیائے اسلام کی سب سے مؤثر اور طاقت ور تحریک تھی جس نے شمالی و وسطی افریقہ، مصر و سوڈان، حجاز و ہند، انڈونیشیا، ترکی اور ایران میں لاکھوں لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی۔

سنوسیِ کبیر بحیثیتِ مجدّد

بلاشبہ محمد بن علی السنوسی کا شمار جدید دنیائے اسلام کے بلند مرتبہ مصلحین و مجدّدین میں ہوتا ہے۔ مریم جمیلہ کی رائے میں:

> اپنے اس کام میں السنوسی زیادہ تر امام احمد بن حنبل، امام غزالی اور امام ابن تیمیہ کی تعلیمات سے متاثر تھے۔ اغلباً عرب کے ہم عصر مجدّد محمد بن عبدالوہاب کی نظیر بھی آپ کے سامنے تھی۔ اگرچہ دونوں مجددوں کے مقاصد، امنگیں اور نظریات یکساں تھے۔ تاہم تصوف کے بارے میں سنوسی تحریک کا رویہ وہابی تحریک کے عمل سے قطعی مختلف اور مؤدبانہ تھا۔ البتہ وہ تصوف کی مناسب حد تک حوصلہ افزائی کے باوجود بعض سلسلہ ہائے تصوف، جن میں سماع اور وجد وغیرہ جائز ہے، کو کسی دوسرے خلافِ شریعت فعل کی طرح سخت ممنوع قرار دیتے تھے(۹۸)۔

سنوسیِ کبیر شریعت و طریقت میں امتزاج کے داعی تھے۔ وہ اگرچہ امام ابن تیمیہ کے افکار سے بھی متاثر تھے لیکن تصوّف کے معاملے میں محمد بن عبدالوہاب کی طرح متشدّد نہ تھے کہ اس کی کلیتاً

نفی کرتے۔ نہ اس قدر غلو پسند تھے جتنے اس وقت کے غالی صوفیاء تھے بلکہ انہوں نے امام غزالی کی طرح شریعت و طریقت میں حسین امتزاج پیدا کیا۔ چونکہ اس زمانے میں تصوف کا دور دورہ تھا لہٰذا انہوں نے اس سے کام لیا اور اسی راہ سے لوگوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا، لیکن عام صوفیاء کی طرح وہ علم کے دشمن نہیں تھے۔ سنوسیہ تصوف کا ایک طریقہ ہے اس طریقہ کے خصائص و امتیازات کے بارے میں ایوانز پرچرڈ (Evans Pritchard) لکھتے ہیں:

> The Sanusiya is, therefore, a highly orthodox order. It is not a sect, but a fraternity. The enemies of its founder were never able to convince any disinterested person that he was guilty of heresy, though they attempted to do so; and it was only in very small matters that they were able to accuse him of departing from the Maliki rite. Even its sufism is conventional and austere. The Wahhabi, those stern and ruthless critics of the sects and orders of Islam, found in it no *bid'a*, innovation, which in the eyes of these fanatics amounts to heresy, and, alone among the sufi orders, they have tolerated its presence in the Hijaz.(٩٩)

ترجمہ: سنوسیہ بہت ہی راسخ العقیدہ اور دین و شریعت کا پابند ایک طریقہ ہے۔ یہ کوئی فرقہ نہیں ہے بلکہ ایک برادری یا جماعت ہے۔ اس کے بانی کے مخالفین ایک لاتعلق شخص کو بھی کبھی یہ باور نہیں کرا سکے کہ سنوسی بدعات اور الحاد و زندقہ کے مرتکب تھے، اگرچہ انہوں نے اس کی بہت ہی کوششیں کی ہیں۔ صرف بہت ہی معمولی معاملات میں وہ سنوسی پر مالکی فقہ سے روگردانی کا الزام لگانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ بہرحال اس کا تصوف بہت ہی سادہ اور مسلمہ قسم کا تھا۔ یہاں تک کہ اسلام میں فرقوں اور روحانی سلسلوں کے وہابیوں جیسے سخت گیر اور بے لاگ نقاد بھی اس میں کسی قسم کی بدعت کا وجود ثابت نہیں کر سکے، جو ان جنونیوں کی نظر میں الحاد کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حجاز میں صرف اسی سلسلے کی موجودگی کو برداشت کیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس سید رضوان علی کی رائے میں سنوسی تحریک کوئی تصوف کا طریقہ نہیں ہے جیسا کہ مغربی مصنفین نے اس کی تصویر کشی کی ہے۔ اپنے ابتدائی مراحل میں یہ ضرور ایک صوفیانہ یعنی روحانی احیائی تحریک تھی لیکن بعد میں یہ ایک مکمل تحریک بن گئی جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط تھی۔ یہاں تک کہ جب ضرورت پڑی تو جنگِ آزادی لڑنے کے لیے سامانِ حرب سے بھی لیس تھی۔ سنوسیِ کبیر نے اپنے پیروکاروں میں ایمان و ایقان اور جرأت و حمیت کا ایسا جواں جذبہ پیدا کیا تھا کہ وہ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے ہمہ وقت مستعد و تیار رہتے تھے۔ سنوسی تحریک کا آغاز تو ان مسلمانوں میں ایمان و ایقان کی شمع روشن کرنے سے ہوا تا کہ وہ اپنی

زندگیاں اسلامی اقدار اور اصولوں کے مطابق گزاریں لیکن اس کا انجام ایک وسیع سلطنت کے قیام پر منتج ہوا۔ یہ واقعتاً ایک عظیم کارنامہ تھا[۱۰۰]۔

سنوسیِ کبیر کی کامیابی عظیم کامیابی تھی اور اس کی عظمت کا اندازہ بہتر طور پر تبھی ہوسکتا ہے جب ہم ان نامساعد حالات کا تصور کریں جن میں (اُن) سنوسی کو کام کرنا پڑا۔ یہ کارنامہ یقیناً ایک ایسی عظیم شخصیت کا مرہونِ منّت تھا جو عقلی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں سے بدرجہا برتر تھی۔ سنوسی تحریک کے مقاصد کی عظمت، ان کے حصول کے سادہ اور کمیاب وسائل اور ان گھمبیر مسائل کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے جو اس کے بانی کو پیش آئے اور جن کا اس نے مردانہ وار مقابلہ کیا تو کوئی بھی اس شخص کی عظمت، حکمت و بصیرت اور ذہانت و فطانت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سی. سی. آدم (C.C. Adams) ان الفاظ میں سنوسیِ کبیر کی ہمہ گیر شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے:

> السید السنوسی کافی طویل القامت اور مرعوب کن شخصیت کے مالک تھے۔ وہ فصیح البیان مقرر اور ایک ذہین استاد تھے۔ صحرا کے غیر مہذب عربوں سے معاملہ کرنے کا فن خوب جانتے تھے۔ جیسا کہ ایک مصنف کا بیان ہے کہ ہجوم کو قابو کرنے کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جو شخص بھی ان سے ملتا تھا اس پر اپنے علم وفضل اور خلق و اخلاق کا گہرا اثر چھوڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ غیر معمولی روحانی طاقتوں اور تصرّف کے مالک ہیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ تنظیم سازی کی غیر معمولی صلاحیتیں اور معاملات کا گہرا عملی شعور رکھتے تھے[۱۰۱]۔

الغرض امام محمد ابن علی سنوسی عالمِ اسلام کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ وہ نجی اصلاح کے دائرے کو تمام دنیا تک پھیلادینا چاہتے تھے۔ اسلام کے پیروکاروں کے مختلف گروہوں کو باہم متحد کرکے انہیں ایک عظیم روحانی اور ممکن ہوتو سیاسی جمعیت میں بدل دینا ان کا مقصود تھا۔ لیکن انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ فرد کی ظاہری حالت کو بدل کر یہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس کے باطن کی کایا پلٹ نہ کی جائے۔ لہٰذا انہوں نے مسلم افراد کے باطن کی اصلاح پر اولین توجہ مبذول کی۔ انہوں نے مسلم افراد کی ایسی اخلاقی اور روحانی اصلاح کی کہ وہ دوسرے اصلاح یافتہ مسلمانوں کے لیے نمونہ ثابت ہوئے۔ مزید براں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے میدان میں انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

سنوسیِ کبیر کی وفات کے بعد سید محمد المہدی السنوسی (۱۸۴۴-۱۹۰۲ء) کے دورِ زرّیں میں

تحریک نے بڑا عروج پایا۔ ۱۸۵۹ء میں محمد بن علی السنوسی کی وفات ہوئی، ان کے صاحبزادہ اور لائق جانشین سید مہدی السنوسی نے اسلام کی صحیح روح وتعلیم کے مطابق اور صحابۂ کرامؓ کے نقش قدم پر باطنی اور جسمانی تربیت اور مجاہدہ و جہاد دونوں کو نہایت کامیابی کے ساتھ جمع کیا، اپنی وسیع النظری اور علمی و عملی جامعیت کی بدولت صحراء کو چمن، روحانی خانقاہ کو مدرسۂ و انجمن اور طلبائے علوم اور سالکین طریق کو سربکفن مجاہدین میں تبدیل کردیا۔ سید محمد المہدی کے دور میں سنوسی زاویوں کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا۔ سنوسی معلمین اور دعاۃ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے علاوہ خطے میں مغربی استعماری طاقتوں کی سرپرستی میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا بڑی کامیابی سے سدّ باب کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دور میں سنوسی تحریک لیبیا میں سلطنت عثمانیہ سے بہت حد تک آزاد ایک خود مختار اسلامی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی[۱۰۲]۔ سید محمد المہدی کی وفات (۱۹۰۲ء) کے بعد ان کے بھتیجے سید احمد الشریف السنوسی (۱۸۷۵-۱۹۳۳ء) (جنہوں نے سنوسیِ کبیر کے نام سے ساری دنیا میں نام پیدا کیا) نے اس تحریک کو چار چاند لگادیے اور برقہ وطرابلس کی جنگ میں اٹلی اور فرانس سے اپنی اور اپنے مجاہدین کی شجاعت و استقامت اور اپنی قائدانہ صلاحیت کا لوہا منوالیا۔ سنوسی مجاہدین کامل ۱۳ برس تک اطالوی سلطنت کے مقابلہ میں صف آراء رہے۔ پھر اطالویوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھوں ستمبر ۱۹۳۱ء میں سنوسی تحریک کے عسکری قائد غازی عمر المختار کی شہادت اور کچھ عرصہ بعد مارچ ۱۹۳۳ء میں سید احمد الشریف السنوسی کی وفات کے ساتھ ہی اس تحریک کا زرّین دور اپنے اختتام کو جاپہنچا۔ بایں ہمہ سنوسی شیوخ کی روحانی تربیت اور دعوت و جہاد کے اثر سے وسطی و شمالی افریقہ اور بالخصوص لیبیا کے عوام پر دینی رجحانات کا غلبہ رہا۔ اس خطے میں سنوسی دعوت و جہاد کے نتیجے میں ایک مستحکم دینی بنیاد پڑ گئی[۱۰۳]۔

حوالہ جات

۱) Louis Rinn, Marabouts et Khouan (Alger, 1884), p.481.

۲) امیر شکیب ارسلان، حاضر العالم الاسلامی (القاہرہ: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۳۴۳ھ)، ج۱،ص ۱۰۵۔

۳) محمد الطیب بن ادریس الاشہب، السنوسی الکبیر (القاہرہ: مکتبۃ القاہرہ، ۱۹۵۱ء)، ص۷؛ احمد صدقی الدّ جانی، الحرکۃ السنوسیۃ: نشأتہا و نموّھا فی القرن التاسع عشر (القاہرہ، ۱۹۶۷ء)، ص ۳۵-۳۸۔

۴) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج۱، ص۱۰۵۔

۵) الاشہب، السنوسی الکبیر، ص۷-۸؛ محمد فؤاد شکری، السنوسیہ: دین و دولتہ (القاہرہ: دارالفکر العربی، ۱۹۴۸ء)، ص۱۱۔

۶) N.A. Ziadeh, *Sanusiyah*: *A Study of a Revivalist Movement in Islam* (Leiden: E.J. Brill, 1958), p.36.

۷) محمد بن علی السنوسی، ایقاظ الوسنان فی العمل بالحدیث و القرآن (القاہرہ، ۱۹۳۸ء)، ص۵-۲۴۔

۸) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج۱، ص۲۷۵۔

۹) شکری، السنوسیۃ، ص۱۴؛ الدّ جانی، الحرکۃ السنوسیۃ، ص۳۹-۴۸۔

۱۰) B.G. Martin, *Muslim Brotherhoods in 19th Century Africa* (Cambridge: University Press, 1976), pp.101-103.

۱۰-ب) ملاحظہ ہو: الدّ جانی، الحرکۃ السنوسیۃ، ص۴۶۔

۱۱) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.37

۱۲) شکری، السنوسیۃ، ص۱۴-۱۵۔

۱۳) شکری، السنوسیۃ، ص۱۵۔

۱۴) شکری، السنوسیۃ، ص۱۵؛ الدّ جانی، الحرکۃ السنوسیۃ، ص۶۲۔

۱۵) شکری، السنوسیۃ، ص۱۶

۱۶) محمد عبدہ، الإسلام و النصرانیہ مع العلم والمدنیۃ، قاہرہ، ص۵؛ شکری، السنوسیۃ، ص ۱۶۔

۱۷) شکری، السنوسیۃ، ص۱۷؛ مزید دیکھیے: Martin, *Muslim Brotherhoods*, p.102.

۱۸) شکری، السنوسیۃ، ص۱۸۔

۱۹) C.C. Adams., *Hcndbook on Cyrenaica* (Cairo, 1943), vol. x, pp.6-7.

۲۰) Martin, *Muslim Brotherhoods*, pp. 102-103.

۲۱) امام احمد بن ادریس الفاسی فاس (مراکش) کے نواح العرائش (Larache) میں ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوئے۔

ان کا تعلق بھی ایک علمی گھرانے سے تھا۔ ان کو جملہ اسلامی علوم شریعت اور طریقت میں کامل دسترس حاصل تھی۔ ''تصوفِ نوٗ'' کے بانیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ احمد تیجانی کی طرح علامہ الفاسی کا یہ دعویٰ تھا کہ جن اوراد و وظائف کی وہ اپنے متوسلین کو تلقین کرتے ہیں وہ براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کے ذریعے آپ کو سکھائے تھے۔ ان کے سلسلہ کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ مروجہ تصوف کے جملہ مشرکانہ اور جاہلانہ قسم کی رسومات اور توہم پرستانہ عقائد، غلط قسم کے تعویز گنڈوں، مزاروں پر جاکر صاحب قبر سے مرادیں مانگنے، مزاروں پر سجدے کرنے اور ساز کے ساتھ سماع اور قوالیاں سننے سے سخت بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اس سلسلہ کے صوفی ذکر جہر کے بجائے ذکر خفی کو ترجیح دیتے ہیں اور ذکر سے مراد ان کے نزدیک کائنات میں غور وفکر اور مراقبہ ہے۔ علامہ احمد بن ادریس الفاسی خضریہ (خضیریہ) سلسلے کے چوتھے شیخ تھے۔ خضریہ سلسلے کے بانی عبدالعزیز بن سعود الدباغ (م:۱۷۱۳ء/ ۱۱۲۵ھ) تھے۔ خضریہ دراصل شازلیہ طریقے کی ایک شاخ تھی۔ علامہ الفاسی مغرب میں مروجہ تصوف اور پیر پرستی سے سخت نالاں تھے۔ وہ طریقت کو شریعت کے تابع دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ قرآن و سنت ہی کو شریعت کا ماخذ گردانتے تھے اور اجماعِ صحابہؓ (جس کی بنیاد سنتِ مطہرہ تھی) کے علاوہ کسی اجماع کو معتبر نہیں مانتے تھے۔ ان کی تعلیمات اپنے مریدوں یا شاگردوں کو اذکار سکھانے اور انہیں لوگوں سے قطع تعلق کرکے گوشہ نشین ہو جانے کی تلقین تک محدود نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس قسم کی تعلیم وتلقین کسی انسان کی ذاتی روحانی ترقی کے لیے تو شاید سُود مند ہوتی ہو لیکن یہ اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لیے قطعی مفید نہیں ہوسکتی۔ علامہ الفاسی کا منتہائے مقصود تمام مسلمانوں کو اسلام کے مضبوط رشتۂ اتحاد و اتفاق سے منسلک کردینا یعنی اتحادِ عالم اسلامی کا قیام تھا۔ ۱۷۹۹ء میں فریضہ حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے قاہرہ میں مقیم ہوگئے پھر ۱۸۱۸ء میں دوبارہ مکہ معظمہ مستقل قیام کی غرض سے تشریف لائے۔ ان کی شہرت بطور ایک جید عالم اور صائب الرائے فقیہہ کے سارے شہر میں پھیل گئی۔ شاگردوں اور طالبانِ علم وعرفان کا ان کے گرد ہجوم رہنے لگا۔ ان کی روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر جب اور کچھ نہ بن پڑا تو حاسد علماء نے ان کے بدعتی ہونے کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ ان حاسد علماء کا بغض وعناد اس حد تک بڑھا کہ صرف فتویٰ ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کی زندگی کے در پے ہوگئے۔ چنانچہ وہ ۱۸۳۵ء میں مکہ سے یمن کے ساحلی علاقے عسیر (صبیا)، جہاں وہابی تحریک کے کچھ اثرات باقی تھے، ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ بالآخر وہیں انہوں نے ۱۸۳۷ء میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ علامہ الفاسی محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرح امام احمد بن حنبل اور امام ابن تیمیہ سے بہت متاثر تھے لیکن وہ امام ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی طرح تصوف کے سرے سے ہی خلاف نہ تھے۔ بلکہ تصوف میں جو بدعات رواج پاگئی تھیں ان کے مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک علیحدہ سلسلے احمدیہ ادریسیہ کی بنیاد ڈالی۔ پھر ان کا حلقۂ ارادت و درس وسیع ہوگیا۔ ان کے حلقۂ ارادت میں ایسے ایسے مشاہیر شامل ہوگئے جنھوں نے ان کی وفات کے بعد اپنے علیحدہ سلسلوں کی بنیاد ڈالی۔ یعنی علامہ الفاسی کے سلسلہ احمدیہ ادریسیہ سے کئی اور سلسلوں نے جنم لیا جن میں سب سے زیادہ سنوسیہ مشہور ہوا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شکری، السنوسیۃ: ص۲۱-۲۲؛ کنز السعادۃ والرشاد (خرطوم، ۱۹۳۹ء)، ص۱۲-۱۶ وبمواقع عدیدہ۔ مزید دیکھیے:

Martin B.G., *Muslim Brotherhoods*, pp. 103-104; Ziadeh, *Sanusiyah*, p.45;

Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, pp.12-13.

۲۲) شیخ سنوسی، ص۳۔

۲۳) Martin, *Muslim Brotherhoods*, p.105.

۲۴) شکری، السنوسیۃ، ص۲۱۔

۲۵) شکری،السنوسیۃ، ص۲۲۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, p. 45.

۲۶) Martin, *Muslim Brotherhoods*, p.105

۲۷) شکری،السنوسیۃ ، ص۲۷۔

۲۸) شکری،السنوسیۃ، ص۲۹۔

۲۹) الأشہب، السنوسی الکبیر،ص۱۹۔

۳۰) الأشہب، السنوسی الکبیر،ص۲۳۰

۳۱) مولانا ابو الکلام آزاد،ہفت روزہ الہلال (کلکتہ)، اپریل ۱۹۱۲ء،ص۱۰۔

۳۲) الہلال، اپریل ۱۹۱۲ء،ص۱۰۔

۳۳) شکری، السنوسیۃ،ص۲۳۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, pp. 47-48.

۳۴) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.47.

۳۵) الہلال، اپریل ۱۹۱۲ء،ص۱۶۔

۳۶) شکری، السنوسیۃ، ص۳۷۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, pp.47-55.

۳۷) الاشہب، السنوسی الکبیر،ص۱۸۔ مزید دیکھیے:

Ziadeh, *Sanusiyah,* p.49-50; E.E. Evans-Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica* (Oxford: Clarendon Press, 1949), p.16.

۳۸) الاشہب، السنوسی الکبیر،ص۱۱۷۔

۳۹) الاشہب، السنوسی الکبیر،ص۲۷۔

۴۰) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی،ج ۱،ص۱۰۶۔

۴۱) الدّجانی، السنوسیۃ،۱۳۲-۱۳۶۔

۴۲) ہدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین و آثار المصنفین،ص۳۰۱۔

۴۳) خیرالدین الزرکلی، الأعلام فی اشہر الرجال و النساء،ص۱۹۲؛ الدّجانی، السنوسیۃ، ص۱۳۲-۱۳۶۔

۴۴) Martin, *Muslim Brothershoods*, p.109.

۴۵) ملاحظہ ہو:

Mahmood Ahmad Ghazi, *The Sanusiyyah Movement of North Africa* (Islamabad: Shari'ah Academy, 2001), pp.259-260, 286-287.

۴۶) Stoddard Lothrop, *The Muslim world Today* (London: Chapman, 1918), p.105.

۴۷) شکری، السنوسیۃ،ص۱۰۔

۴۸) شکری، السنوسیة، ص۱۰،۴۰۔
۴۹) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج۱، ص۱۰۸-۱۱۰۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, p.34
۵۰) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.79.
۵۱) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج۱، ص۱۰۸۔
۵۲) شکری، السنوسیة، ص ۴۹۔
۵۳) S. Rizwan Ali, "Sanusi Movement", *Muslim News International* (London), Feb. 1963, p.28.
۵۴) الاشہب، السنوسی الکبیر، ص۱۸۔
۵۵) شکری، السنوسیة، ص۴۸-۴۹۔
۵۶) شکری، السنوسیة، ص۴۹۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, pp.177-118.
۵۷) شکری، السنوسیة، ص۵۰۔
۵۸) محمد الطیّب الاشہب، السنوسی الکبیر، ص۲۹؛ وہی مصنف، برقة العربیه بین الأمس والیوم (قاہرہ، ۱۹۵۴ء)، ص۱۹۷-۲۰۱۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sunusiyah*, p.116.
۵۹) الاشہب، السنوسی الکبیر، ص۳۱-۳۲؛ العربیه بین الأمس والیوم، ص۱۹۱-۲۰۱۔ مزید دیکھیے: Ziadeh, *Sanusiyah*, p.117.
۶۰) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.118.
۶۱) ہفت روزہ الہلال، اپریل ۱۹۱۲ء، ص۳۱۷۔
۶۲) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.116; Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.73.
۶۳) Pritchard,*The Sanusi of Cyrenaica*, pp.74-75.
۶۴) Ziadeh, *Sanysiyah*, p.117.
۶۵) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.75.
۶۶) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.117.
۶۷) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.77.
۶۸) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.105.
۶۹) شکری، السنوسیة، ص۳۷۔
۷۰) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.105.
۷۱) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p. 70.
۷۲) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.106.
۷۳) الاشہب، السنوسی الکبیر، ص۴۹-۵۰۔
۷۴) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.77.
۷۵) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.74; Ziadeh, *Sanusiyah*, p.114.
۷۶) برقة العربیه بین الامس و الیوم، ص۱۷۴-۲۲۰۔

۷۷) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.101.

۷۸) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.101.

۷۹) المنار، جلد۱۵(۱۹۱۲ء)، ص۵۵۲۔

۸۰) ارسلان، حاضر العالم الاسلامی، ج۱، ص۱۸۰-۲۸۵۔

۸۱) ہفت روزہ، الہلال،(اپریل،۱۹۱۲ء)، ص۱۵-۱۹۔

۸۲) ارسلان، حاضر العالم اسلامی، ج۱، ص۲۸۱۔ صحیح تعداد معلوم کرنے کے لیے آپ کے سوانح نگار ایونز پرچرڈ نے جو کدو کاوش کی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ اس نے بھی ان کی ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں ۱۴۶ زاویوں کے نام گنائے گئے ہیں: مصر میں ۳۱، عرب (حجاز) میں ۱۷، لیبیا میں ۸۴ اور سوڈان میں ۱۴۔ اس نے ایک نقشہ کے ذریعے ان کے محلِ وقوع کو بھی ظاہر کیا ہے۔ سنوسی کیبز کے ایک عرب سوانح نگار محمد الطیب الاشہب (جن کے جد امجد عمر محمد الاشہب محمد علی سنوسی کے خلیفہ بھی تھے) نے ۵۲ زاویوں کی ایک فہرست دی ہے، جو شیخ سنوسی اوّل کے عہد میں تکمیل کو پہنچے۔ انہوں نے بعض زاویوں کی مختصر تاریخ بھی دی ہے۔ محمد الطیب الاشہب نے ۵۵ زاویوں کے ناموں کی مع ان کے شیوخ کے ناموں کی فہرست دی ہے جو محمد المہدی سنوسی کے عہد میں مکمل ہوئے یا قائم ہوئے۔ محمد الطیب الاشہب پہلے شخص ہیں جنہوں نے زاویوں کی تقسیم عہدوار یعنی اس دور کے لحاظ سے کی جس کے عہد میں زاویے قائم ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, pp.22-27

۸۳) Ziadeh, *Sanusiyah*, pp.103,118.

۸۴) فؤاد شکری، السنوسیة، دین و دولة، ص۵۰۔

۸۵) ٹی. ڈبلیو. آرنلڈ، دعوتِ اسلام (مترجمہ: شیخ عنایت اللہ) (لاہور: محکمۂ اوقاف،۲، ۱۹۷۲ء)، ص۳۲۵۔

۸۶) Ziadeh, *Sanusiyah*, p.106.

۸۷) سیرة الأستاذ الامام، ص۷۷۔

۸۸) شکری، السنوسیة، ص۵۸-۶۱،

۸۹) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.83.

۹۰) روزنامہ اللّواء، قاہرہ، ۱۳ مارچ ۱۹۱۲ء، بحوالہ محمد نجم الغنی خان، مذاہب الإسلام (لکھنؤ، ۱۹۲۴ء)، ص۷۳۱-۷۳۵۔

۹۱) Rosita Forbes, *The Secrets of Sahara Kufara* (New York, 1921), pp. 293-294.

۹۲) آرنلڈ، دعوتِ اسلام، ص۳۲۴-۳۲۶۔

۹۳) سید احتشام احمد ندوی، "سنوسی تحریک کی تنظیمی ونظریاتی بنیادیں"، معارف (اعظم گڑھ)، ۸۵:۳ (مارچ ۱۹۶۰ء)، ص ۲۲۳۔

۹۴) Maryam Jameela, *Islam in Theory and Practice* (Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1987), p. 113.

۹۵) Muhammad Asad, *The Road to Mecca* (London: Max Reinhardt, 1954), p.314.

۹۶) Syed Rizwan Ali, "The Sunusi Movement", *Muslim News International* (London), February 1963, p.29.

۹۷) سید احتشام احمد ندوی، ''سنوسی تحریک کی تنظیمی اور نظریاتی بنیادیں''، معارف (اعظم گڑھ)، ۸۵:۴ (اپریل ۱۹۶۰ء)، ص ۳۰۶-۳۰۷۔

۹۸) Jameela, *Islam in Theory and Practice*, p.110.

۹۹) Pritchard, *The Sanusi of Cyrenaica*, p.1.

۱۰۰) Ali, Syed Rizwan, "The Sanusi Movement, pp.28-29.

۱۰۱) C.C. Adams, "The Sanusi", *The Muslim World*, xxxvi:1 (January 1946), p.25.

۱۰۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Ghazi, *The Sanusiyyah Movement*, pp. 89-98, 185-190.

۱۰۳) سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیّت اور مغربیّت کی کشمکش (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۱۷-۲۱۹۔